

# اُٹان طاشی

kutubistan.blogspot.com

kutubistan.blogspot.com





# اُڑن طشتری

بچوں کے لئے ناول

روٹیلڈ ڈیڈمین

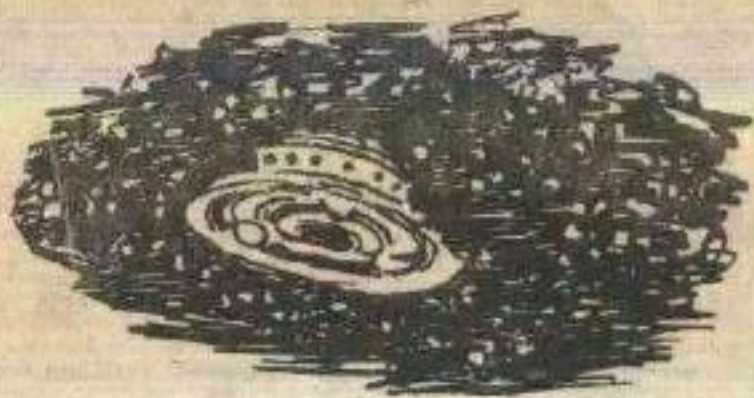
رحیم

[kutubistan.blogspot.com](http://kutubistan.blogspot.com)



فائونڈیشن

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی



## اختر نے دیکھ لیا

اختر بڑا ذہین اور پیارا لڑکا تھا۔ وہ ایک گاؤں میں رہتا تھا جو پہاڑ کے دامن میں آباد تھا۔ اس کے ایک طرف ہرے بھرے کھیت لہلاتے تھے، جن کے پرے گھنے جنگل تھے اور دوسری طرف ایک ندی بہتی تھی جس میں ڈھیروں مچھلیاں تھیں اور مچھیروں نے یہاں اپنی جھونپڑیاں بنا رکھی تھیں۔

شام ہو رہی تھی اور دُور، جہاں زمین اور آسمان ملتے نظر آتے ہیں، سورج سرخ تھاں بنا ہوا ہوا میں لٹکتا دکھائی



دیتا تھا۔ پرندے گھونسلوں کو لوٹ  
 رہے تھے۔ مرغیاں چوزوں کو پروں تلے  
 سمیٹے اپنے بٹھکانوں پر آگئی تھیں۔ شاہو  
 چودھری کے کھیت میں گائے ہلکے ہلکے  
 ڈکرا رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو "لو بھئی  
 دن کا کام کاج ہو چکا۔ اب سو رہو۔"  
 گرمیوں کی رات تھی۔ اختر اپنے  
 چوہارے میں سونے کی تیاری کر رہا تھا۔  
 اُس نے سُن رکھا تھا کہ اگر، سہج سہج،  
 سات بار سر کو تکیے پر ماریں تو بڑے  
 سُہانے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ ابھی اُس  
 نے ساتویں بار سر مارا تھا کہ اُس کی  
 آنکھیں مُند گئیں اور وہ خواب دیکھنے لگا  
 اس نے دیکھا کہ ایک شخص اُس سے کہہ  
 رہا ہے۔ "کیوں میاں، تیار ہو؟"  
 اور اس کے ساتھ ہی ایک بادچی آیا اور  
 اُس نے دسترخوان پر ایسے ایسے مزے دار

کھانے چُن دیے کہ اختر کے مُنہ میں پانی  
 بھر آیا۔

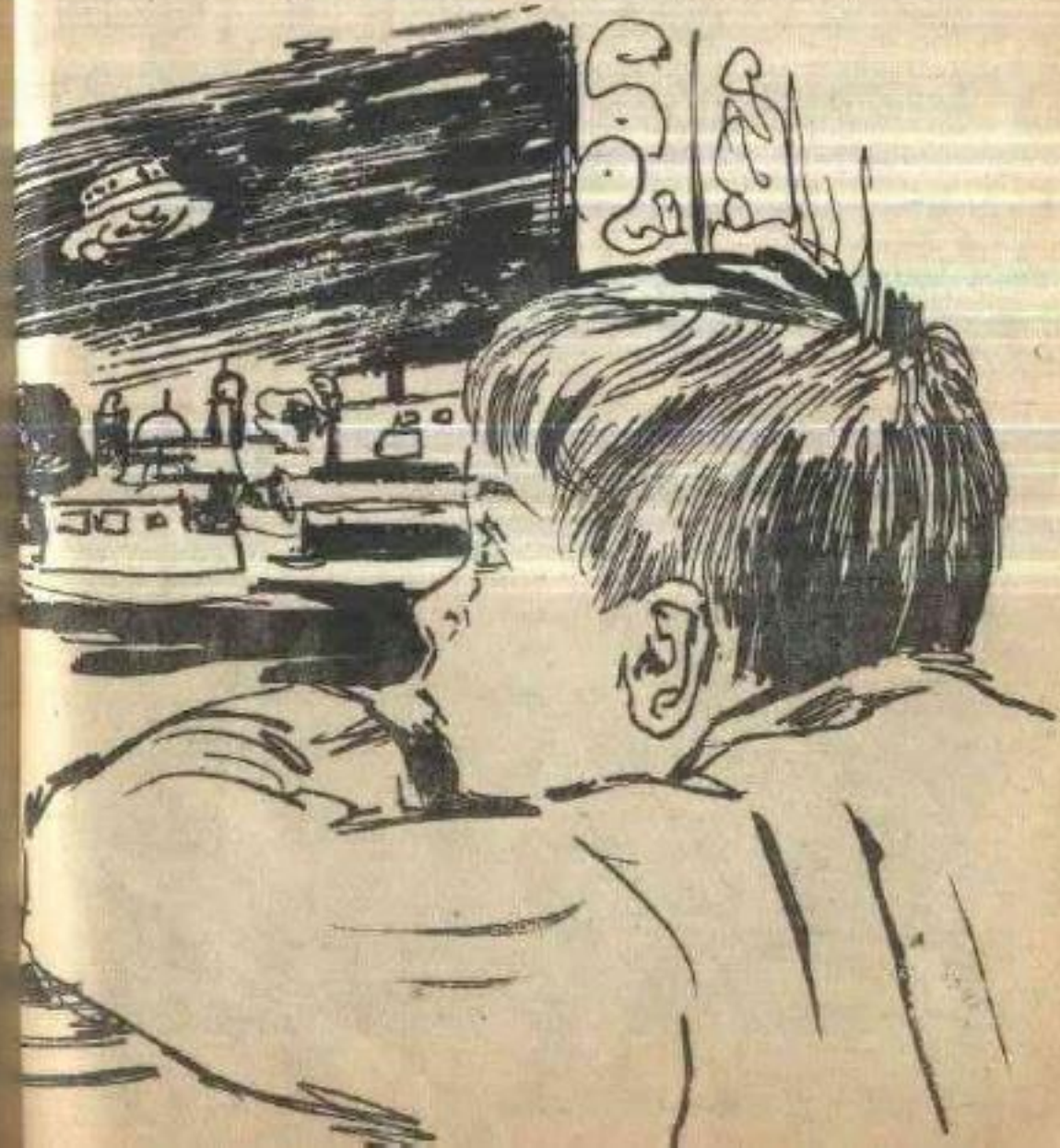
اُس نے حلوے کی پلیٹ اپنی طرف  
 سرکائی ہی تھی کہ ایک دم اُس کی آنکھ  
 کھل گئی اور آسمان پر ایک بے حد  
 چمکیلی چیز نے اُس کی آنکھوں کو چوندھیا  
 دیا۔ اتنا مزے دار حلوا اُس کے مُنہ  
 میں آتے آتے رہ گیا، اس کا اسے  
 افسوس تھا۔ مگر آسمان والی چمکیلی چیز  
 دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گیا اور کھڑکی  
 میں سے، ٹلٹلی باندھ کر، اسے دیکھنے  
 لگا۔

قصبے کے لوگ کچھ جاگتے اور کچھ  
 سوتے تھے۔ اُنہوں نے بھی ہڑ بڑا کر  
 آنکھیں کھول دیں۔ اور کوشش کے بعد  
 بھی جب معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کیا  
 چیز ہے تو بڑ بڑاتے ہوئے پھر سو گئے۔



فکے بھونکنے کی آواز بھی بھسنی اور اُٹو کی  
 آواز بھی جو جنگل میں بول رہا تھا۔  
 اُس نے دل میں کہا ہو سکتا ہے یہ  
 سب کچھ خواب ہی ہو۔ میں حلوا بھی تو  
 خواب ہی میں کھانے لگا تھا۔ یہ سوچ  
 کر اُس نے اپنی ناک کو زور زور سے  
 مسلا۔ جب درد محسوس ہوا تو کہنے لگا  
 ”نہیں نہیں یہ خواب ہرگز نہیں ہو سکتا  
 میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا  
 ہوں اور دوسرے لوگ بھی یہی کچھ دیکھ  
 رہے ہوں گے۔ اب صبح ہی پتا چلے  
 گا کہ اصل ماجرا کیا ہے“  
 یہ سوچتے ہوئے اس کی آنکھیں زیند  
 سے بوجھل ہو گئیں اور وہ کھڑکی سے  
 ہٹ کر چار پائی پر لیٹ گیا۔ شاید وہ  
 پھر کوئی خواب دیکھ رہا تھا مگر ہر بار  
 خواب میں حلوا کہاں؟

مگر اختر برابر دیکھتا رہا۔ اسے آسمان میں  
 شمالی ستارہ بھی جگمگ جگمگ کرتا نظر آ  
 رہا تھا اور روشن چاند بھی جو کبھی کبھار  
 بادلوں میں چھپ جاتا تھا۔ اُس نے کتے





ہے -

اس کے اوپر ایک گول کمرہ بنا ہوا تھا جس کی شکل اونڈھے ٹوکے سے ملتی جھلتی تھی - اس میں برابر برابر فاصلے پر دس کھڑکیاں لگی ہوئی تھیں جن میں سے روشنی پھوٹ پھوٹ کر نکل رہی تھی - اُٹن طشتری تین دفعہ بجلی کی طرح گھن گرج کے ساتھ ہوا میں گھومی جیسے زمین پر اترنے کے لیے جگہ تلاش کر رہی ہو - وہ تھوڑی دیر ہوا میں لٹکی رہی اور پھر اُس میں سے ایک چمکتی ہوئی سیڑھی لٹکائی گئی جو سیدھی زمین سے لگ گئی اور پلک جھپکتے میں اس پر سے ایک چھوٹا سا لڑکا اترتا دکھائی دیا -

اس لڑکے نے عجیب سا لباس پہن رکھا تھا - زمین پر اترتے ہی اُس نے تین دفعہ زور زور سے ہوا میں بازو ہرائے

## زمین پر اترنا

اختر تھوڑی ہی دیر سویا تھا کہ پھر اُس کی آنکھ کھل گئی اور وہ کھڑکی کے پاس آ کر اس چیز کو دیکھنے لگا جس نے اُسے آرام سے سونے بھی نہیں دیا تھا - وہ چیز ایک بہت بڑی چاندی ایسی دھات کی بنی ہوئی طشتری یا رکابی تھی - اس کے کناروں پر چھوٹی چھوٹی ٹونٹیاں لگی ہوئی تھیں - ان ٹونٹیوں سے تیز تیز شعلے لپک لپک کر باہر آ رہے تھے اور اُس کی دُم سے ایک بہت بڑا سُرخ شعلہ دُور تک فضا میں لہراتا دکھائی دیتا تھا - اگر اگلے وقتوں کے لوگ اسے دیکھ لیتے تو وہ یہی کہتے کہ یہ تو اُٹن ناگ



اور پھر درختوں کے سائے میں غائب ہو گیا  
ادھر وہ غائب ہوا اور ادھر اُڑن طشتری  
میں سے تین زوردار شعلے لپکے اور پھر وہ  
مشرق کی جانب تیزی کے ساتھ روانہ ہو  
گئی۔

اس کے بعد ہر طرف خاموشی چھا گئی۔  
جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اختر کھڑکی سے  
ہٹ کر اپنی چارپائی پر آیا اور یہ کہتے  
کہتے گہری نیند سو گیا "توبہ توبہ! مجھے  
تو یہ جادو کا کھیل معلوم ہوتا ہے۔  
بالکل جادو کا کھیل!"

## پنچایت

گاؤں کے لوگ بڑے محنتی تھے۔ کام  
کاج جی لگا کر کرتے تھے۔ وہ صبح  
سویے کھیتوں میں چلے جاتے تھے اور  
سورج ڈوبنے کے وقت گھروں کو لوٹتے  
تھے۔ تمام دن کام کرتے کرتے کمر دوہری  
ہو جاتی تھی اور جب رات کے وقت بستر  
پر پڑتے تھے تو ایسے بے سُدھ ہو کر  
سوئے تھے کہ کسی چیز کا ہوش نہ رہتا  
تھا۔

لیکن ان نیند کے ماتوں کی آبادی میں کم  
سے کم دو شخص ایسے ضرور تھے جنہوں  
نے رات کو نہ سونے کی قسم کھا رکھی۔  
اور وہ تھے ساجا اور مابا۔ وہ گاؤں



کے چوکیدار تھے جو دن کو سوتے تھے اور رات کو پہرا دیا کرتے تھے کہ گاؤں میں چور اچکے نہ گھس آئیں۔

آج رات جب ماہجے نے اُٹن طشتری دیکھی تو وہ بھونچکا سا رہ گیا۔ دوڑتا ہوا ساہجے کے پاس گیا اور بولا: ”بھئی ساہجے، وہ دیکھو اُدھر، آسمان پر۔“ میری اتنی عمر ہو گئی پر ایسی چمک دار اور تیزی سے گھومنے والی چیز میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ یہ قیامت کی نشانیاں ہیں قیامت کی۔“

ساہجے نے کہا: ”ہاں بھائی، زمانہ بھی تو دیکھو کون سا جاتا ہے۔ اس زمانے میں جو بھی ہو تھوڑا ہے۔ تو بہ تو بہ، تم سچ کہتے ہو۔ یہ قیامت ہی کی نشانیاں ہیں۔“

ماہجے نے کہا: ”میرا خیال ہے، ہم

صبح سویرے شاہو چودھری کے ڈیرے چلیں اور اُسے ساری بات بتائیں۔ وہ پڑھا لکھا آدمی ہے۔ کچھ نہ کچھ تو بتائے گا۔“

”ہاں ہاں۔ ضرور چلیں گے۔ تم نو بجے وہاں پہنچ جانا۔ میں بھی ٹھیک وقت پر آ جاؤں گا۔“

دوسرے روز صبح نو بجے ماہجا اور ساہجا شاہو چودھری کے ڈیرے پر گئے۔ ماہجا اُٹن طشتری کی بات بتانے کے بعد بولا: ”کیوں چودھری جی، یہ شیطان کے کھیل ہیں نا؟“

”ارے بھگے، شیطان کا اس سے کیا کام۔ وہ کوئی اُٹن طشتری ہو گی۔ میں نے اخباروں میں اس کے بارے میں پڑھا ہے۔“ چودھری نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”چودھری جی، آپ نے میرے دل



کی بات کہہ دی۔ مگر اُڑن طشتریوں کے ساتھ سیڑھیاں بھی لٹکا کرتی ہیں کیا؟ اور اُن سے سُنہری سوٹ پہنے ہوئے بچھتنے بھی اُترتے ہیں زمین پر؟ ”ساجے نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

”تم کہیں خواب تو نہیں دیکھ رہے تھے؟“

”نہیں چودھری جی، بالکل نہیں۔“ ماما بولا۔ ”ہم نے اپنی آنکھوں سے ایک بچھتنا اُترتے دیکھا تھا اور جس سیڑھی سے وہ اُترا تھا وہ چاندی کی طرح چمک رہی تھی۔“

ساجے نے کہا ”چودھری جی، ماما بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔“

شاہو چودھری چوکیداروں کی باتیں سن کر بہت حیران ہوا اور کہنے لگا ”میرے

خیال میں گاؤں کے بڑے بوڑھوں کو بھی بلا لیا جائے۔ تم اُن کو اپنی کہانی سنانا شاید وہ کوئی بات بتا سکیں۔“

ماما ساجا دوڑ کر گاؤں کے بڑے بوڑھوں کو بلا لائے اور جب وہ جمع ہو گئے تو ماما اور ساجے نے اُن کے سامنے اپنی کہانی دُہرائی جسے سن کر حکیم صاحب کہنے لگے :

”چودھری صاحب، جب آدمی رات کو زیادہ کھانا کھا لے تو اُسے بد ہضمی ہو جاتی ہے اور اُسے بڑے ڈراؤنے خواب دکھائی دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے ساجے اور ماما نے کل رات کھانا زیادہ کھا لیا تھا، پہرا دیتے دیتے ان کی آنکھ لگ گئی اور وہ لگے اُوٹ پٹانگ خواب دیکھنے۔“

حکیم صاحب کچھ اور کہنا چاہتے تھے



کہ اختر کے دادا چمک کر بولے :  
 ” حکیم صاحب ، جو باتیں ساجے مامے  
 نے کہی ہیں ، بالکل وہی میرے پوتے  
 اختر نے مجھے بتائی ہیں ۔ یہ کیسے ہو سکتا  
 ہے کہ سب کا خواب ایک سا ہی ہو ؟  
 پھر وہ شاہو چودھری کی طرف دیکھ کر  
 کہنے لگے ” چودھری صاحب ، اپنے حکیم  
 صاحب تو مرے حکیم صاحب ہی ہیں ۔  
 انہیں جو بھی بات سُنائی جائے گی ، وہ  
 اُسے ہیر پھیر کر بد معنی کا نام دے دیں  
 گے ۔ انہیں کیا معلوم کہ سائینس کس  
 قدر ترقی کر چکی ہے ۔ یہ کل ہی کی  
 بات ہے کہ امریکہ کے خلا باز چاند تک  
 کی سیر کر آئے ہیں ۔ اس لیے میرا  
 خیال ہے کہ اس معاملے کے سچ اور  
 جھوٹ کو پرکھنے کے لیے ہمیں دو تین  
 روز انتظار کرنا چاہیے ۔ اس دوران میں

اخبارات بھی کچھ نہ کچھ لکھیں گے اور  
 جن دوسرے لوگوں نے اسے دیکھا ہے  
 اُن کی باتیں بھی ہم تک پہنچ جائیں  
 گی ۔“



کے نیچے بڑے روشن اور تیز دماغ کام کر رہے ہیں۔

ان کی انگلیاں پتلی، لمبی اور نازک ہتھیں اور ان میں یہ صفت تھی کہ کسی چیز کو چھوتے ہی اس کا سارا حال جان لیتی تھیں۔

ان کے چہروں پر سکون تھا اور انہیں دیکھ کر یوں معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ ہماری زمین کے لوگ نہیں بلکہ کسی ان جانی دنیا کے باشندے ہیں۔

اصل میں بات یہ ہے کہ یہ لوگ جس سیارے میں بستے تھے وہ ہماری زمین سے کڑوڑوں میل دور ہے۔ وہاں کے رہنے والوں نے سیاحوں کی ایک جماعت تیار کی تھی جسے دوسرے سیاروں میں جانے کی تربیت دی جاتی تھی۔ اس سیارے کے لوگوں کو ہماری زمین کے

## ان جانی دنیا کے مسافر

اُن طشتری میں تین آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سب چھ فٹ لمبے تھے اور اُنہوں نے خلا بازوں کی طرح چست سنہری سوٹ پہن رکھے تھے۔

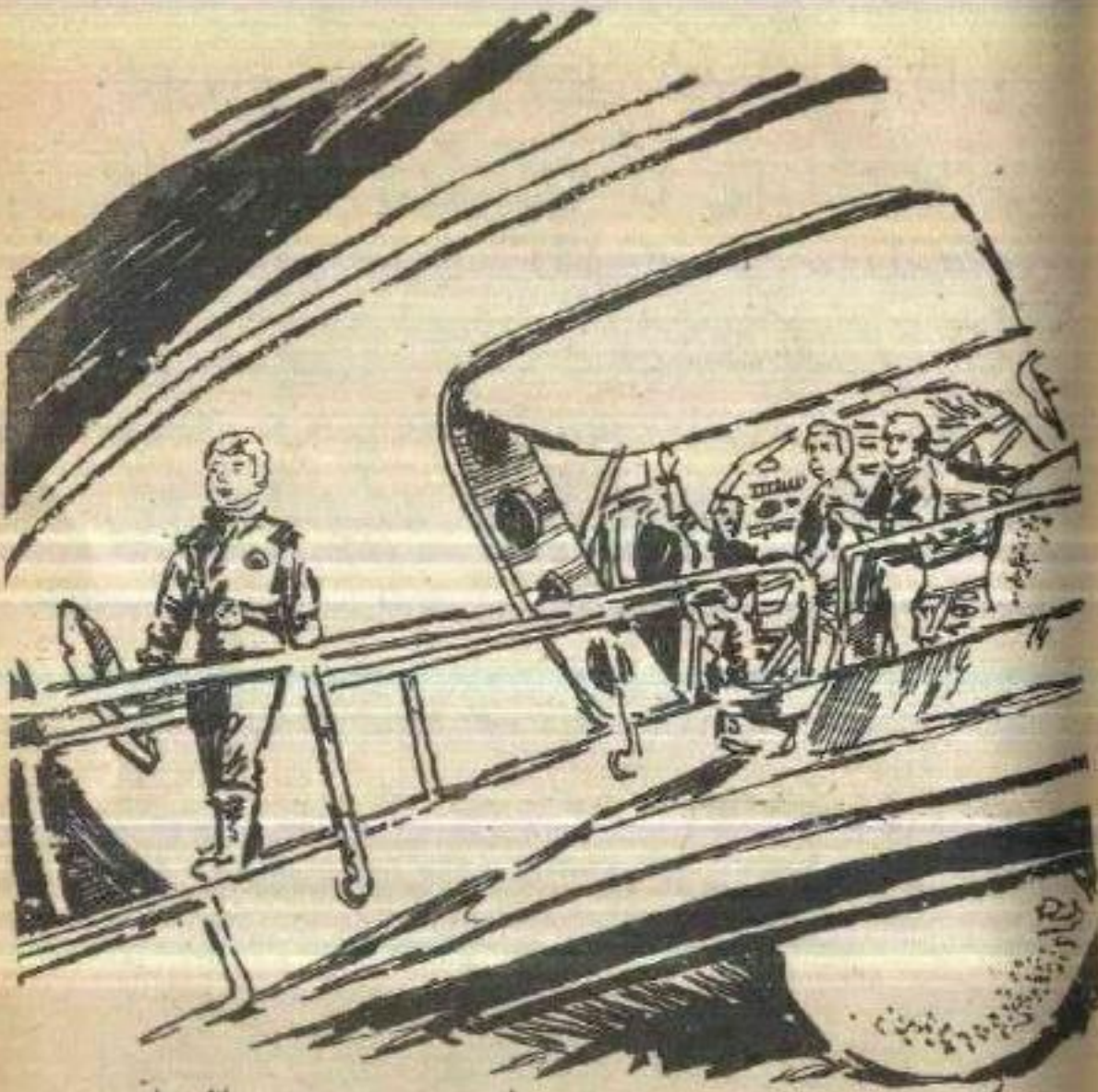
ان کی صاف شفاف آنکھوں سے شوخی ٹپکتی تھی اور انہیں دیکھ کر خیال ہوتا تھا کہ یہ لوگ اپنی آنکھوں سے دوسرے لوگوں کے خیال فوراً تاڑ سکتے ہیں۔

ان کے سر کے بال چاندی کی طرح سفید تھے مگر یہ سفیدی بوڑھوں کے سروں کی سفیدی نہیں تھی۔ اس سفیدی میں خوش نمائی کی جھلک تھی اور معلوم ہوتا تھا کہ ان خوب صورت سفید بالوں



حالات جاننے کا بہت شوق تھا۔ اس لیے وہ اپنے سائنس کے آلوں کے ذریعے ہمارے ریڈیو سننے اور ٹیلی ویژن دیکھتے تھے۔ یوں انہیں اس سیارے کا، جسے زمین کہتے ہیں، بخوبی بہت علم ہو گیا تھا اور اب وہ اپنی آنکھوں سے ہمیں اور ہماری زمین کو دیکھنے آئے تھے۔ ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں تھا اور ہوتا بھی کیوں؟ جب کوئی دوستی، امن اور پیار کا پیغام لے کر آئے تو اسے ہتھیاروں سے کیا مطلب؟

تنہا بڑے سکون کے ساتھ سیڑھی سے اُترا اور کسی قسم کی گھبراہٹ کے بغیر اپنے پاؤں زمین پر ٹیک دیے۔ پھر اُٹن طشتری والوں کو ہاتھ ہلا کر خدا حافظ کہا۔ انہوں نے تین بار سبز بتیاں روشن کیں اور بچھا دیں۔ جیسے وہ بھی ننھے کو خدا حافظ



کہہ رہے ہوں۔ پھر ایک سُرخ بتی ٹمٹما کر بجھ گئی جس کا مطلب تھا کہ ہم 24 گھنٹے بعد نہیں لینے آئیں گے۔ سفید بالوں والے ڈرامیور نے ایک بٹن دبایا جس سے ایک زبردست گونج پیدا ہوئی۔ پھر اُٹن طشتری کے



کناروں سے نیلے شعلے لپکے اور وہ شاں  
شاں کرتی ہوئی بجلی کی تیزی کے ساتھ  
مشرق کی سمت روانہ ہو گئی۔ راستے  
میں ڈرائیور اپنے ساتھیوں سے کہہ رہا تھا  
”اللہ کرے ننھا خیریت سے لوٹے۔ لاکھ  
سیانا سہی، آخر بچہ ہی ہے نا۔“  
اُس کے ایک ساتھی نے کہا ”آپ فکر  
نہ کریں۔ آپ کا بیٹا بڑا ہونہار ہے۔  
ہمیں زمین والوں کے بارے میں بہت  
کچھ معلوم ہے مگر جب وہ واپس آ کر  
ہمیں بتائے گا کہ وہاں کے انسان کیسے  
ہوتے ہیں، کیسے رہتے سہتے ہیں اور ان  
کی عادتیں کیسی ہیں تو اس سے ہمیں  
بہت فائدہ ہو گا اور ہم اُن سے دوستی  
کی بات چیت کریں گے۔“

## زمین پر

ننھا سیڑھی سے اُترتے ہی بھاگ کر  
جنگل میں جا چھپا اور تاروں بھرے آسمان  
کو دیکھنے لگا۔ بے چارہ اکیلا تھا، تن تنہا۔  
وہ جہاں اُترا تھا وہ اُن جانی اور اُن دیکھی  
جگہ تھی۔ اس لیے اُس کا ڈرنا اچھی  
کی بات نہ تھی ”لیکن خوف سے تو  
آدمی بُزدل ہو جاتا ہے۔“ اس نے دل  
میں کہا ”اور بُزدل کسی مشکل کو حل  
نہیں کر سکتا۔ میں بھلا کیوں بُزدل  
ہونے لگا۔ میں تو بہادر ہوں، بہادر۔“  
اُڑن طشتری کہیں کی کہیں جا پہنچی  
تھی اور اب دُور، آسمان کی بلندیوں پر  
ایک دھبہ سا نظر آ رہا تھا۔ چاروں



طرف اندھیرا چھایا ہوا تھا اور تاروں کی  
مدھم روشنی میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس  
اندھیرے کو کم کر سکتی۔ رہا چاند، تو  
وہ بار بار بادلوں کے پیچھے چھپ جاتا  
تھا۔

نہتے کو ہر طرف لمبے لمبے سائے نظر  
آ رہے تھے۔ اور جن چیزوں کے یہ سائے  
تھے وہ چھوٹے میں سخت تھیں۔ اُس  
نے سوچا تو فوراً خیال آ گیا کہ یہ تو  
پیٹر ہیں۔ اور پیٹر تو بے ضرر سی چیز  
ہیں۔ بھلا ان سے کیوں ڈروں؟

تھوڑی دیر بعد وہ کیا دیکھتا ہے کہ  
ایک ٹہنی پر کوئی مٹیالے رنگ کی چھوٹی  
سی چیز بیٹھی ہوئی ہے۔ اس کی آنکھیں  
بہت کم جھپکتی تھیں اور اس کی چونچ  
مڑی ہوئی اور تیز تھی۔ وہ چیز زور  
زور سے کہہ رہی تھی ”ہو ہو۔ ہو ہو۔“

یہ کہیں وہی پرندہ تو نہیں جو صرف  
رات کو شکار کے لیے نکلا کرتا ہے  
اور جس کا من بھاتا کھا جا ایک لمبی  
دُم اور چار نہتے نہتے پاؤں والی مخلوق  
ہے۔ جسے زمین والے چوہیا کہتے ہیں؟  
نہتے نے سوچا۔

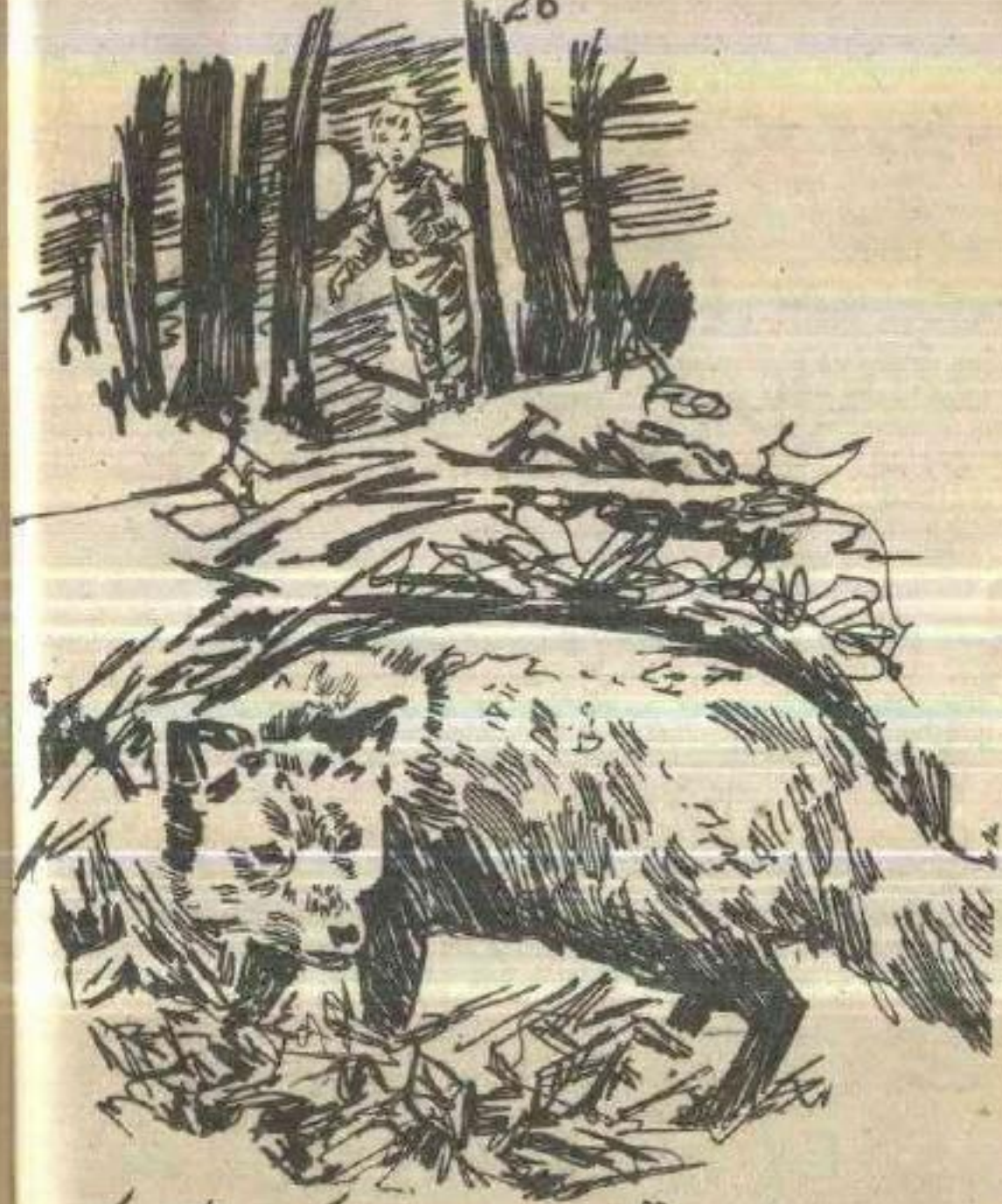
وہ درخت کے پاس کھڑا تھا کہ اسے  
ایک اور چیز نظر آئی، جس کی چار  
ٹانگیں تھیں اور پھولی ہوئی دُم تھی۔  
اس چیز نے پہلے تو ادھر ادھر دیکھا  
پھر ناک سُکیٹر سُکیٹر کر ہوا میں شونگھنا  
شروع کر دیا۔ اسے دیکھ کر نہتے  
نے دل میں کہا ”معلوم ہوتا ہے  
اسے ناک ہی سے سب باتوں کا علم  
ہو جاتا ہے۔ ویسے جانور مزے کا  
ہے۔ مگر اللہ جانے زمین والوں نے  
اس کا کیا نام رکھا ہے۔“



جنگا ہوں سے اوجھل ہو گئی تو ننھے نے  
اُٹو کی طرف دیکھا جو آنکھوں میں آنکھوں  
ڈال کر اُسے دیکھ رہا تھا۔ چند لمحے  
اُس نے زور سے ہُو ہُو کی اور پھر  
ایک ہی اُٹان میں دُور جنگل میں غائب  
ہو گیا۔

لومڑی اور اُٹو کیا گئے، ننھے کے  
دل بہلاوے کا سارا سامان چلا گیا۔ وہ  
اُداس ہو کر اُن گنت ٹہماتے ستاروں  
کو تیکنے لگا۔

اب وہ کھڑے کھڑے تھک گیا تھا  
اس لیے ایک درخت کی کھردری اور  
سخت چھال سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا  
اور دل میں کہنے لگا ”جی تو یہی  
چاہتا تھا کہ فوراً کام شروع کر دوں  
مگر اس اندھیرے میں کہاں جاؤں۔ اب  
سُورج نکلنے ہی اس دھرتی کے راز



یہ لومڑی تھی اور اسے کسی شکار کی  
تلاش تھی۔ کیوں کہ اس وقت اُسے  
سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ سُونگھتی  
سُونگھتی دُور نکل گئی اور جب ننھے کی



معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور جس  
پتیز کو ڈھونڈ نکالنے کے لیے میں  
رے تاب ہو رہا ہوں وہ بھی قبیح ہی  
کو نظر آئے گی۔ وہ چیز مجھ سے ملتی  
جھلتی تو ہے مگر کیا نام تھا اُس کا؟  
اُس کے لفظ کا پہلا حرف الف ہے۔  
ہاں یاد آ گیا، یاد آ گیا۔ وہ لفظ ہے  
انسان۔“

قصبے کے لوگ ننھے کی آمد سے بالکل  
بے خبر، نیند کے مزے لے رہے تھے۔  
جب سبھی سو رہے تھے تو ننھے نے  
کیا قصور کیا تھا کہ وہ جاگتا رہتا۔  
تھوڑی دیر بعد اُس کی آنکھ بھی لگ  
گئی۔

## سوٹ کے بدلے قمیص

جب پلو پھٹی اور نور کی کرنیں چاروں  
طرف پھیل گئیں تو شاہو چودھری کے  
قدروں سے چوڑے پھدک پھدک کر باہر  
نکل آئے اور ان کی چوں چوں اور چڑیوں  
کی چیں چیں نے سارے گاؤں کو سر  
پر اٹھا لیا۔

ننھے نے اس چہکار کو سن کر آنکھیں  
کھول دیں اور ایک دو جھٹکیاں لینے  
کے بعد اٹھ کھڑا ہوا۔ اُس نے اپنے  
سنہری سوٹ پر سے گھاس پھوس کو چھاڑا  
اور ایک چھوٹی سی پگڈنڈی پر چل پڑا  
جو باہر کو جاتی تھی۔ اس نے دل میں  
ٹھان لی تھی کہ اُٹن طشتری کے واپس



آنے تک زمین اور زمین پر بسنے والوں  
کے بارے میں زیادہ سے زیادہ باتیں  
معلوم کر لے گا اور یوں زمیند میں جو  
وقت ضائع ہو چکا تھا اس کی کسر  
نکال لے گا۔

اُس نے سامنے نظر اٹھائی تو ایک  
چوڑے پاٹ کی ندی پر مچھروں کی  
کشتیاں تیرتی نظر آئیں جن میں مچھلیوں  
کے ڈھیر لگ رہے تھے۔ کناروں  
پر لڑکے بالے جال پھیلانے بیٹھے  
تھے۔

ننھے نے ایک لڑکے کو دیکھا تو  
دل میں کہنے لگا ”یہ لڑکا میرا ہم  
عمر بھی ہے اور قد میں بھی میرے  
برابر ہے۔ کیوں نہ اس سے بات  
کروں۔ مگر ایک بات سے ڈر لگتا ہے  
اگر یہ میری باتیں نہ سمجھ سکا تو ایسا

نہ ہو کہ مجھ پر حملہ ہی کر دے۔  
مگر خیر! اس نے دل کو ڈھارس دیتے



ہوئے کہا ”اگر اُس نے حملہ کر بھی  
دیا تو میں اُس سے نیٹ لوں گا۔“  
یہ سوچ کر وہ اُس لڑکے کے  
پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ لڑکا اپنی کشتی



کی مرمت کر رہا تھا۔ کیل ٹھکانے پر  
نہ لگی تو وہ بول اٹھا ”میں بھی  
کتنا بے وقوف ہوں۔“  
ننگے نے یہ سن کر کہا ”او میاں  
بے وقوف۔“

لڑکا ہنس پڑا، بولا ”ارے، تم  
اجنبی معلوم ہوتے ہو۔ کسی اور دیس  
سے آئے ہو۔ بھائی میرا نام بے وقوف  
نہیں، سراج ہے۔ سمجھے؟“  
”معاف کرنا غلطی ہو گئی۔“ ننگے نے  
کہا ”سراج بھائی، وہ کیا رکھا ہے  
پوٹلی میں؟“

”روٹی ہے۔ کھاؤ گے؟“  
”بھائی، مجھے سخت بھوک لگی ہے۔  
تھوڑی سی دے دو تو مہربانی ہو گی۔“  
سراج نے اُسے دو روٹیاں اور تھوڑا  
سا آم کا اچار دے دیا۔

”مہا کھا چکا تو کہنے لگا۔“ یہ تو  
بڑے مزے کا کھانا تھا بھائی۔ تمہارا  
بہت بہت شکریہ۔“

”ارے بھئی رہنے دو شکریہ وکریہ۔  
اچھا یہ تو بناؤ، یہ تم نے عجیب سا  
لیاس کیوں پہن رکھا ہے؟“  
”یہ؟“ ننگے نے اپنے سوٹ کی طرف  
اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”یہ خلائی سوٹ  
ہے۔ اور اسے ہم اس وقت پہنتے  
ہیں جب ہمیں کسی اجنبی دیس میں  
جانا ہو۔“

”خلائی ولایت کے لفظ بول کر مجھے  
بے وقوف نہ بناؤ۔ بات اصل میں یہ  
ہے کہ تمہارا سوٹ دیکھ کر میرا جی  
بہت لپچا رہا ہے۔ اگر میرے پاس  
بھی ایسے کپڑے ہوتے تو میں خوشی  
سے پھولا نہ سماتا۔ کم سے کم اس



قمیص سے تو نجات مل جاتی جو میں نے  
پہن رکھی ہے۔ - بیس سے زیادہ تو پیوند  
لگ رہے ہیں اس میں۔“

نتھنا دل میں کہنے لگا ”بات تو ٹھیک  
کہی ہے اس نے۔ اس کی قمیص بہت  
پُرانی ہے۔ - پیوند پر پیوند لگ رہے ہیں  
اس میں۔ اور دائیں آستین تو بالکل  
بھٹ چکی ہے۔ میں کہتا ہوں، اگر  
اُس نے میرے سوٹ کو عجیب قسم کا  
لباس کہا ہے تو یہی بات دوسرے لوگ  
بھی کہیں گے اور ایسا نہ ہو کہ انہیں  
کچھ شبہ ہو جائے اور.....“

اور اس نے فوراً اپنے دل میں ایک  
فیصلہ کر لیا۔ وہ بولا ”اچھا بھائی،  
اگر تمہیں یہ سوٹ پسند ہے تو لے لو  
لیکن اس کے بدلے مجھے اپنی قمیص اور  
پاجامہ دے دو۔ ٹھیک ہے نا؟“

”ارے میاں تم تو بہت اچھے ہو۔  
و، بسم اللہ۔ اُتارو کپڑے“

اور پھر اُنہوں نے اپنے اپنے کپڑے  
ایک دوسرے سے بدل لیے۔

سراج کی تو پوچھو نہیں۔ سوٹ پہن  
کر وہ تو خوشی کے مارے ناچ ناچ  
اُٹھا۔ کبھی ادھر اُچھلتا تھا اور کبھی  
ادھر پھدکتا تھا۔ اور کبھی سینہ تان کر  
کہتا تھا ”واہ وا، یوں معلوم ہوتا ہے  
جیسے یہ کپڑے تم میرے ہی لیے سلوا  
کر لائے تھے۔ میرے دوست دیکھیں  
گے تو اُن کی آنکھیں پُندھیا جائیں گی۔“  
نتھنے نے اس کا لباس پہن لیا اور  
پوچھنے لگا :

”اور ہمارے متعلق کیا رائے ہے  
آپ کی؟“

”ارے بھئی حد ہو گئی۔ یوں معلوم



ہوتا ہے جیسے تم پیدا ہی پھیروں کے  
گھر ہوئے تھے۔  
”بہت خوب۔ تو اچھا بجائی۔ خدا  
حافظ۔“

## آنکھوں دیکھا حال

ندی سے کوئی دو سو گز دور گاؤں  
کے بڑے جوہڑ کے قریب، حلوائی کی  
دکان تھی۔ یہاں نیچے اپنی اپنی پسند  
کی مٹھائی خریدا کرتے تھے۔ حلوائی بڑا  
صاف سُتھرا تھا۔ وہ چیزوں کو جالیوں  
کے اندر رکھتا تھا تا کہ وہ کیڑوں  
مکوڑوں اور مکئیوں سے محفوظ رہیں۔

جب سکول میں آدھی چھٹی ہوتی تو  
دکان پر بچوں کی بھیڑ لگ جاتی۔ حلوائی  
کو سر کھانے کی فرصت نہ ملتی۔ کوئی  
لڈو مانگتا تو کوئی جلیبی۔ کوئی کہتا  
رس گلے دے دو تو کوئی گلاب جامن  
کی رٹ لگاتا۔ غرض بڑی گھما گھمی ہوتی



اختر اور اس کے دوست عزیز، سعید اور لطیف بھی ہر روز یہیں اکٹھے ہوا کرتے تھے۔

ابھی سکول کا گھنٹا بجنے میں کچھ دیر تھی کہ سعید گیند بلا سنبھالے حلوائی کی دکان کے پاس پہنچ گیا۔

اتنے میں عزیز بھی ادھر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اُس نے بھی کل رات آسمان پر وہ عجیب چیز دیکھی تھی جو اختر کو دکھائی دی تھی۔ اس کی آنکھیں ابھی تک اس چیز کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ وہ انہی خیالوں میں لگن چلا آ رہا تھا کہ سیدھا سعید سے جا ٹکرایا اور ٹکراتے ہی بول اٹھا:

”سعید، تم نے بھی کل رات کوئی عجیب چیز دیکھی تھی؟“  
سعید نے کہا ”تمہاری مراد اُڑن طشتی

سے ہے نا؟“  
”ہاں ہاں وہی۔ بالکل وہی“ عزیز



نے کہا۔ ”صبح کو میں نے امی سے اس کا ذکر کیا تو وہ ہنس پڑیں اور کہنے



لگیں کہ تم نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا ہو گا۔“

سعید بولا۔ ”میری امی نے تو حد ہی کر دی۔ وہ میری بات سن کر کہنے لگیں کہ تمہارے پیٹ میں کوئی خرابی ہے جو ایسے خواب دیکھتے ہو۔ میں تمہارے ابو سے کہوں گی کہ تمہیں حکیم کے پاس لے جائیں۔“

عزیز بولا۔ ”یہ بڑے بوڑھے اللہ جانے ہماری باتوں کا اعتبار کیوں نہیں کرتے۔ خیر، یہ بتاؤ بھلا اس کی شکل کیسی تھی؟“

”بالکل لٹو کی طرح۔ اگر لٹو پر اونڈھا ٹوکرا رکھ دو تو اُسے چھوٹی سی اڑن طشتری سمجھ لو۔“

”اور کچھ؟“

”اور اُس کی ٹوٹنیوں سے سینا اور سرخ

شعلے نکل رہے تھے اور وہ ساری کی ساری اتنی روشن تھی کہ آنکھیں چندھیا جاتی تھیں۔“

”بھئی واہ، خوب نقشہ کھینچا ہے تم نے اُس کا۔“ ابھی وہ کچھ اور بھی کہنا چاہتا تھا کہ سامنے سے لطیف آتا دکھائی دیا۔ اُس کے ابو کراچی گئے ہوئے تھے اس نے اُن کے قریب آ کر کہا۔

”السلام علیکم!“

”وعلیکم السلام۔ بتاؤ رات کیسی گزری؟“

”بڑے چین سے گزری۔ مگر تم کیوں پوچھتے ہو؟“

”دنیا بھر میں چرچے ہو رہے ہیں رات والی اڑن طشتری کے اور جناب کہہ رہے ہیں رات بڑے چین سے گزری۔“

عزیز نے جل بھن کر کہا۔

”تم تو یوں ہی گرم ہو رہے ہو۔“

وہ اڑن طشتری تو میں نے بھی دیکھی تھی



مگر مجھے دوسرے غم تھوڑے ہیں جو اس کا غم کرتا پھروں “

عزیز اور سعید اُسے اداس دیکھ کر بات تناڑ گئے اور عزیز نے بڑے میٹھے لہجے میں کہا۔ ”بھئی معاف کرنا۔ مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا۔ کہو، تمہارے ابو کا کوئی خط آیا کہ نہیں؟“

”صرف ایک خط ملا تھا اور اس میں بھی دو سطر ہیں لکھی تھیں۔“

”اچھا بھئی، ہماری دُعا ہے کہ تمہارے ابو خیرِ خیریت سے ہوں۔“

عزیز نے کہا ”میری ایک تجویز ہے اور وہ یہ کہ جب ماسٹر صاحب ہمیں سبق پڑھا چکیں تو ہم انہیں اُڑن طشتی کی بات بتائیں اور ننھے کے سیڑھی سے اُترنے والا قصہ بھی.....“

اُس نے جُملہ ادھورا چھوڑ دیا اور

لطیف اور سعید کو یوں تیکنے لگا جیسے پوچھ رہا ہو کہ تم نے بھی دیکھا تھا ننھے کو سیڑھی سے اُترتے ہوئے؟

سعید نے کہا۔ ”تم نے جُملہ ادھورا کیوں چھوڑ دیا؟ تم کوئی جھوٹ تھوڑی بول رہے ہو۔ ننھے کو سیڑھی سے اُترتے ہوئے میں نے بھی دیکھا تھا۔“

اور لطیف نے بھی ”پھر لطیف سے کہنے لگا۔“ کیوں لطیف، ٹھیک ہے نا؟“

”بالکل ٹھیک“ لطیف نے کہا اور عزیز نے ادھوری بات کو پھر چھیڑا ”ہم ماسٹر صاحب سے کہیں گے کہ جناب، آپ نے ہمیں قدرت کے نظارے پر ایک جواب مضمون لکھنے کو کہا تھا اور ساتھ ہی یہ بھی کہا تھا کہ میں تمہیں جنگل کی سیر کو لے جاؤں گا تا کہ تم خود اپنی آنکھوں سے قدرت کے نظارے دیکھو۔ تو



## تم کون ہو؟

ابھی وہ سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ لڑکا چُپکے سے اُن کے پاس آ کھڑا ہوا اور بولا ”سلام علیکم“ اُس نے یوں کہا جیسے ان سے اُس کی پرانی جان پہچان ہے۔

سعید نے جواب میں کہا ”وعلیکم السلام“ اور یہ کہہ کر اُسے سر سے پاؤں تک غور سے دیکھنے لگا۔ اس نے دل میں کہا ”یہ شاید ہمارے گاؤں میں نیا نیا آیا ہے۔ اگر میں اسے اپنے سکول کی ٹیم میں شامل کر لوں تو کیا رہے۔ بدن کا مضبوط اور چُست ہے۔ آنکھوں سے دلیری ٹپکتی ہے۔“

عزیز اور لطیف نے کنکھیوں سے ننھے کی قمیص کو دیکھا جو جگہ جگہ سے پھٹی ہوئی تھی۔ وہ سمجھے کہ یہ کسی پھیرے کا بیٹا ہے۔

چند منٹ بعد ننھے نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا:

”میرا نام آفاقی ہے اور آپ کا نام کیا ہے؟“

لڑکوں نے اُسے اپنا نام بتایا اور یہ بھی بتایا کہ وہ سکول جانے سے پہلے یہاں اکٹھے ہوا کرتے ہیں اور اُن کا ایک اور بھی دوست ہے جس کا نام اختر ہے۔ وہ کلاس کا مانیٹر ہے، اس لیے اُسے ہم سب سے پہلے سکول پہنچنا ہوتا ہے۔ ہماری اور اس کی ملاقاتیں سکول میں ہوا کرتی ہیں۔

زمین پر آنے سے مہینوں پہلے آفاقی



کے ماسٹر صاحب نے اُسے زہین والوں کی زبان سکھائی تھی اور اس نے بھی جی لگا کر اُسے سیکھا تھا۔ وہ لڑکوں کا ایک ایک لفظ اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔ وہ کیا آپ کا سکول یہاں سے بہت دُور ہے؟ جی چاہتا ہے میں بھی وہاں جاؤں۔“

”تم جانے کو کہہ رہے ہو۔ حال آں کہ تمہیں وہاں داخل ہونا چاہیے تھا۔ چودھری شاہو نے تمہیں آوارہ پھرتا دیکھ لیا تو شامت آ جائے گی۔ وہ اس گاؤں کی پنچایت کا چودھری ہے اور اُسے بچوں کو تعلیم دلانے کا بہت شوق ہے۔ بچوں ہی اُسے کوئی لڑکا گھومتا گھومتا نظر آیا اور وہ اسے دھکیل کر لے گیا۔ بڑے ماسٹر صاحب کے پاس۔ پھر جناب، تم بچوں کو رو یا چاں، وہ تمہیں سکول میں

داخل کروا کر ہی دم لے گا۔ ذرا ہمتیار رہنا اس سے۔“

”جی ہاں“ لطیف نے اس کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے کہا ”تم لاکھ کہو، ہائے میری مٹیا، مگر تو یہ کرو وہ تمہیں بخشنے گا نہیں۔“

”مٹیا کا کیا مطلب ہے؟“ ننھے نے حیرت سے پوچھا۔

”بھئی واہ۔ اتنا آسان لفظ ہے اور تم اس کا مطلب پوچھ رہے ہو۔ بھلا یہ تو بتاؤ، تم آئے کس دیس سے ہو؟“ اُس دیس سے؟ آفاقی نے اُنگلی سے آسمان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”ہاں۔ آسمان سے آئے ہو۔ تیر، کہیں سے آئے ہو، چودھری شاہو سے بچ کر رہنا۔ یہ تمہیں ہماری آخری نصیحت ہے“ عزیز بولا۔



”اچھا بھئی، خدا حافظ۔ اگر میرے پاس وقت ہوتا تو میں خوشی سے تمہارے ساتھ سکول کو جاتا۔ ابھی تو مجھے تمہارے گاؤں کی سیر کرنی ہے۔“  
 لڑکوں نے جانے کے لیے قدم بڑھایا  
 ہی تھا کہ سڑک کے اُس پار شور غل  
 سُنائی دیا۔

”یہ ساجا اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتا۔  
 اب کے نہیں چھوڑوں گا اسے۔ مار مار کر  
 بندر نہ بنا دیا تو سعید نام نہیں۔“ سعید  
 نے غصے سے کہا۔

سڑک کے اُس پار، دو لڑکے کندھوں  
 پر بستے لٹکائے کھڑے تھے۔ ایک سات  
 سال کا ہو گا اور دوسرا گیارہ سال کا تھا  
 بڑا لڑکا چھوٹے کے ہاتھ مڑوڑ رہا تھا  
 اور وہ بُری طرح چیخ رہا تھا۔ سعید سے  
 اس کی چیخیں نہ فنی گئیں وہ وہیں

سے للکارا :  
 ”چھوڑ دے جعفر کو ورنہ آ کر ہڈی  
 پسلی ایک کر دوں گا۔“  
 اور یہ کہہ کر وہ ادھر جانے کو تھا  
 کہ آفاقی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا  
 ”میں چکھاتا ہوں مزار سے۔ تم تکلیف  
 نہ کرو۔“

”تو آؤ پھر میرے ساتھ“ سعید بولا۔  
 ”وہاں جانے کی ضرورت نہیں۔“ یہ کہہ  
 کر آفاقی نے اپنی لمبی پتلی اُننگلی  
 ساجے کی طرف اٹھا دی اور نظریں اُس  
 پر گاڑ دیں۔

چند منٹ پہلے ساجا باؤلے گتے کی طرح  
 جعفر سے چھینا چھینی کر رہا تھا۔ لیکن  
 ایک دم وہ یوں چپ چاپ کھڑا ہو گیا  
 جیسے اس پر آسمان سے بجلی گری ہو  
 اور وہ زمین میں گر کر رہ گیا ہو۔



جناب ہمیں آج ہی لے چلیے۔ جب ہم جنگل میں پہنچیں گے۔ تو قدرت کے نظارے دیکھنے کے ساتھ ساتھ اُس ننھے کا بھی کھوج لگائیں گے۔ مجھے یقین ہے کہ وہ وہیں کسی جھاڑی میں چھپا بیٹھا ہو گا۔“

سعید نے اُس کی باتیں سن کر کہا۔  
 ”واہ وا، بھئی خوب سوچھی تمہیں۔ یہ تو پکی بات ہے کہ ہم سب نے اُسے جنگل کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا تھا۔“  
 تینوں اس تجویز پر بہت خوش تھے اور سکول کی طرف جانے والے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ سامنے سے ایک لڑکا چلا آ رہا ہے۔

تینوں اُسے دیکھ کر ہٹا بٹا رہ گئے۔ وہ گھاؤں کے ایک ایک لڑکے کو پہچانتے تھے۔ اس لڑکے کو اُنھوں نے کبھی نہیں

دیکھا تھا۔ دیکھتے بھی کیسے۔ وہ تو دوسری دُنیا سے آیا تھا۔

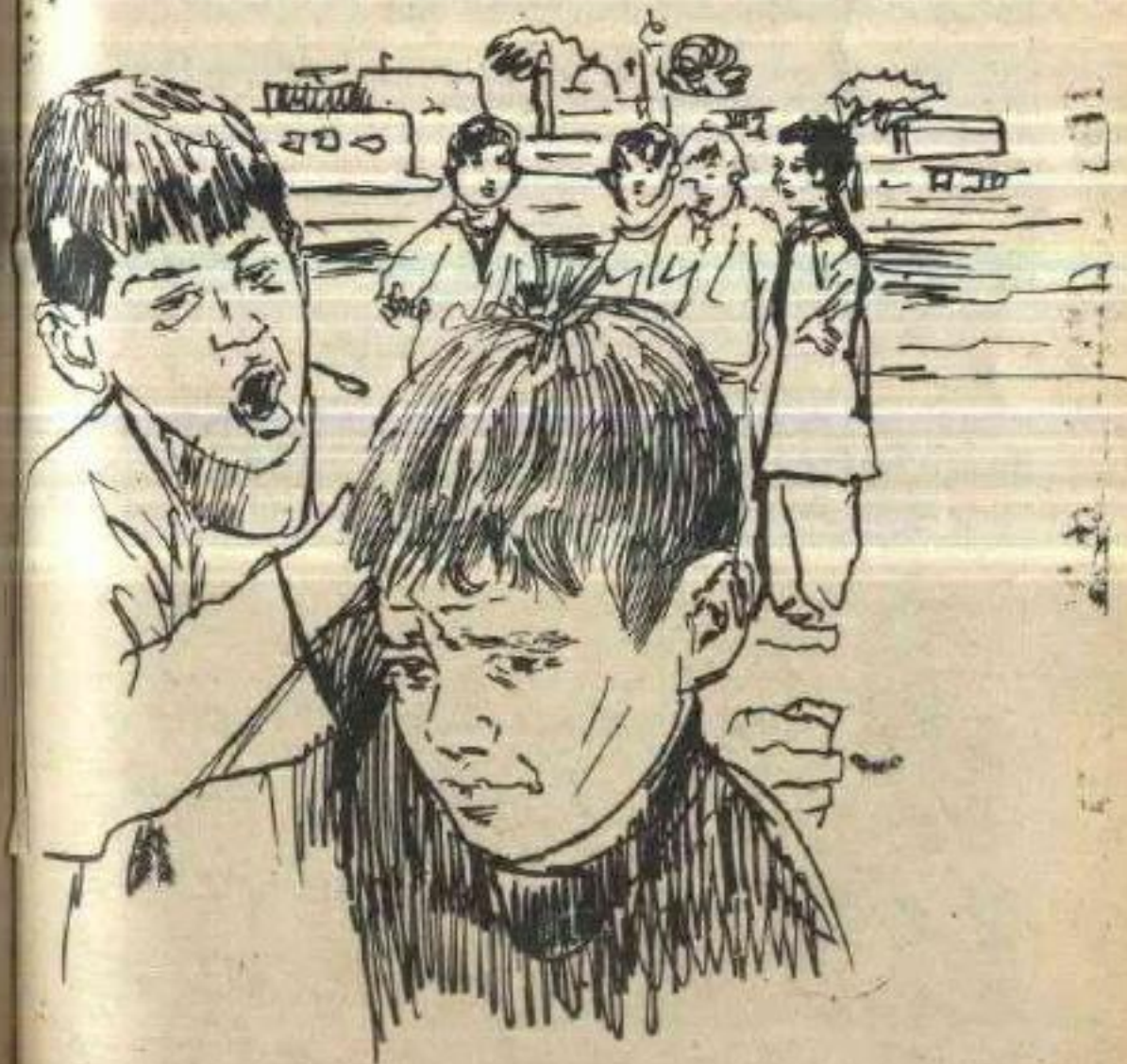


گیا۔ اُدھر جعفر نظروں سے اوجھل ہوا  
اور اُدھر ساجے نے اپنا مُڑا مُڑا ہاتھ  
ہٹے ہٹے کرتے ہوئے اوپر اٹھایا اور  
پھر سر کو یوں کھجلیا جیسے پورا آسمان  
اس کے سر پر آگرا تھا۔

یہ تماشا دیکھ کر سعید، عزیز اور  
لطیف کا مُنہ کھلا کا کھلا رہ گیا تھا۔  
وہ سکول کو جاتے ہوئے سارے راستے  
آفاقی کے اسی کرتب کی باتیں کرتے رہے۔  
سکول میں داخل ہوئے تو سعید کہہ  
رہا تھا ”حد ہو گئی، حد ہو گئی“  
عزیز کہہ رہا تھا ”اُس نے تو کمال  
ہی کر دیا“

لطیف کہہ رہا تھا ”مجھے تو یہ جادوگر  
معلوم ہوتا ہے۔ نہٹا مُنٹا جادوگر“  
اتنے میں اُن کی مُڈ بھیر اختر سے  
ہو گئی جس نے مزے لے لے کر اُن

اُس کے بازو درخت کی ٹانگوں کی طرح  
لٹک رہے تھے۔ بے جان، مُردہ سے۔  
جعفر خوشی سے چیختا چلاتا، ساجے کا  
مُنہ چڑاتا، بھاگتا ہوا کہیں کا کہیں نکل





کے متعلق سوچیں ہی تو ہماری عقل  
چکرا جائے۔ میرے خیال میں بہتر یہ  
ہو گا کہ ہم ماسٹر حیدر جی کو ساری  
بات بتا دیں۔ دیکھیں وہ کیا کہتے  
ہیں۔“

کو رات والی اُڑن طشتری کی کہانی سنانا  
شروع کر دی۔

”ارے مانیٹر صاحب، جو چیز ہم ابھی ابھی  
دیکھ کر آئے ہیں، وہ تم نے خواب  
میں بھی نہیں دیکھی ہو گی، عزیز نے  
کہا۔ اور پھر الف سے لے تک سارا  
قصہ بیان کر دیا۔ اختر ہٹکا بگا رہ گیا

اور بولا:

”کمال کر دیا اس بڑکے نے۔ میں  
کہتا ہوں، کہیں وہ جادو گروں کے  
ملک سے نہ آیا ہو۔ مجھے تو اس  
سے ڈر لگتا ہے۔ کیا معلوم کسی وقت  
کوئی ایسا فتنہ اُٹھا دے کہ ہم مومن  
تھکتے رہ جائیں“

”یہ تم نے جادو کی رٹ کیا لگا رکھی  
ہے۔ سائنس نے ایسی ایسی کمال کی  
چیزیں ایجاد کی ہیں کہ اگر ہم ان



”ہاں ہاں - شوق سے پوچھو۔“ ماسٹر جی نے کہا۔

”جناب، آپ نے رات کوئی عجیب و غریب چیز دیکھی تھی؟“

”ہاں - دیکھی تو تھی۔“ وہ چونک کر بولے۔

”لیکن میں نے جس سے بھی بات کی اس نے مجھے یوں دیکھا جیسے میں پاگل ہوں۔ صبح سویرے ڈاکیا آیا تو میں نے رات والی بات اس کو بتائی وہ سُنتے ہی کہنے لگا کہ حضرت جی،

اگر آپ بوڑھے ہوتے تو ہم کہتے کہ سٹھیا گئے ہیں۔ مگر آپ تو خیر سے جوان ہیں۔ اس عمر میں ایسی باتیں کرنا

آپ کو زیب نہیں دیتا۔ سکول کے راستے میں غلام رسول بساطی کی دکان آتی ہے اس سے بھی میں نے اُس عجیب و غریب

چیز کا ذکر کر دیا۔ وہ اس زور سے

## ماسٹر جی نے گھنٹی سلجھا دی

ماسٹر حیدر جی بہت ہنس مکھ آدمی تھے مگر آج وہ اپنی کرسی پر اداس سے بیٹھے ہوئے تھے۔ رات اُنہوں نے بھی

آسمان پر اُڑن طشتری اُڑتی ہوئی دیکھی تھی۔ اُنہیں رہ رہ کر خیال آ رہا تھا

کہ شاید میرا دماغ ٹھکانے نہیں رہا۔ اسی لیے عجیب عجیب چیزیں میری نظروں

کے سامنے گھومنے لگی ہیں۔

جب وہ جماعت کو پڑھا چکے تو اختر، عزیز، لطیف اور سعید اُن کے

قریب آ کھڑے ہوئے۔ سعید کہنے لگا:

”جناب، اجازت ہو تو ایک بات پوچھیں؟“



کھل کھلا ہنسا کہ میں تو ڈر ہی گیا۔  
جب ذرا ہنسی تھی تو کہنے لگا کہ ماسٹر  
جی، کہیں لڑکوں سے ایسی بات نہ کر  
بیٹھیو۔ ورنہ وہ آپ پر ہنسن گے۔  
”اور آپ نے ایک لڑکے کو سیڑھی  
سے اترتے بھی دیکھا ہو گا؟“ اختر نے  
پوچھا۔

”ہاں ہاں۔ وہ اترتے ہی جنگل میں  
غائب ہو گیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ



میں نے اس کے متعلق ان لوگوں کو نہیں  
بتایا۔ ایک حرف بھی کہہ دیتا تو وہ  
مجھے پاگل سمجھ بیٹھتے۔

”مگر لوگ اتنے ٹھٹھڑ دے کیوں  
ہوتے ہیں؟ ان میں اتنا حوصلہ کیوں  
نہیں ہوتا کہ دوسروں کی بات ٹھنڈے  
دل سے سُننے اور سمجھنے کی کوشش کریں؟  
یہ تو بہت بُری بات ہے۔“

”ہاں، بُری بات ہے۔ مگر کیا کیا  
جائے۔ لوگ ہر اُسی بات کو سچ  
سمجھتے ہیں جسے اُنہوں نے خود دیکھا ہو  
یا اُس کے بارے میں پہلے سے سُن  
رکھا ہو۔“

”جناب، ابھی کچھ دن ہوئے میں نے  
اخبار میں پڑھا تھا کہ امریکہ میں کسی  
جگہ لوگوں نے آسمان پر ایک اُڑن طشتی  
اُڑتی دیکھی تھی۔“



”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں نے بھی  
اخباروں اور رسالوں میں اس کی بابت  
بہت کچھ پڑھا ہے۔“  
”اگر یہ بات ہے تو چند باتیں  
ہمیں بھی بتا دیجیے۔“

”اخباروں میں اٹرن طشتریوں کی  
بہت سی تصویریں چھپی ہیں۔ خاص طور  
پر ایک تصویر نے تو ساری دنیا میں  
گھل بلی مچا دی تھی۔ یہ نیو میکسیکو  
(امریکہ) میں لی گئی تھی۔ اس میں ایک  
دھندلی سی پہلے جیسی چیز نظر آتی ہے  
جو چمکتی ہوئی، بجلی کی تیزی کے  
ساتھ جنگل کے اوپر سے گزر رہی ہے۔“  
”تو کیا ابھی تک یہ پتا نہیں چل  
سکا کہ یہ کیا چیز تھی؟“

اس کے متعلق بہت سے سائنس دان  
چھان بین کر رہے ہیں۔ امریکہ کے ہوا

بازی کے محکمے نے اپنے ایک سائنس دان  
کی رپورٹ چھاپی ہے جس میں لکھا ہے  
کہ موسمی حالات کی چھان بین کے لیے  
بہت بڑے بڑے غبارے چھوڑے جاتے  
ہیں۔ جب ان میں سے بعض غبارے  
بہت اوپر جا کر بھٹک جاتے ہیں تو  
یوں نظر آتا ہے جیسے یہ غبارے نہیں  
اٹرن طشتریاں ہیں۔ ایک اور سائنس دان  
کا کہنا ہے کہ جب بڑی بڑی دل دلوں  
میں سے گیس نکلتی ہے۔ تو وہ اوپر  
جا کر طشتریوں کی سی شکل کے بادلوں  
میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

غرض کوئی سائنس دان کچھ کہتا ہے  
اور کوئی کچھ۔ مگر وہ اُس کی کھوج  
برابر لگا رہے ہیں اور اُمید ہے کہ  
کسی نہ کسی دن یہ ضرور پتا چل جائے  
گا کہ یہ اٹرن طشتری اصل میں ہے



ہمارے لیے وہ بات اڑن طشتری سے  
 بھی زیادہ اچھنبے کی ہے۔ جب  
 ہم سکول آ رہے تھے تو ہمیں ایک  
 اجنبی لڑکا ملا جس نے انگلی کے اشارے  
 سے ساجے کو پتھر کا بت بنا دیا۔  
 ساجا ایک نیچے کو مار رہا تھا۔ جب  
 ہم نے پہلے پہل اس لڑکے کو دیکھا  
 تو ہم سمجھے کہ وہ کسی چھبرے کا لڑکا  
 ہے۔ مگر جناب، اس تماشے کے بعد تو  
 ماننا پڑتا ہے کہ وہ کوئی عام لڑکا نہیں  
 بلکہ کوئی بہت بڑا جادوگر ہے۔ میں  
 سوچتا ہوں یہ کہیں وہی لڑکا تو نہیں  
 جو رات اڑن طشتری سے اُترا تھا؟  
 ”اب سمجھا کہ تم اس قصے کو  
 اڑن طشتری والی بات سے کیوں ملا  
 رہے ہو؟“  
 ”مگر جناب، اب ہمیں یہ فکر ہے

کیا چیز؟“  
 لڑکے بڑے غور سے ماسٹر جی کی  
 باتیں سن رہے تھے۔ جب وہ خاموش  
 ہوئے تو لطیف نے کہا:  
 ”لیکن جناب، سائنس دان جو جی میں  
 آئے کہتے رہیں۔ ہم نے تو خود اپنی ان  
 آنکھوں سے اڑن طشتری دیکھی ہے اور  
 پھر اتنا ہی نہیں بلکہ ایک لڑکے کو  
 بھی دیکھا ہے جو اس میں سے اُترا تھا۔  
 اور اُترتے ہی جنگل میں غائب ہو گیا  
 تھا۔“  
 ”تم ٹھیک کہتے ہو۔ مگر یہ تو بتاؤ  
 بھلا کتنے لوگ ہماری باتوں کو سچی باتیں  
 سمجھیں گے؟ اس لیے ہمیں ابھی صبر  
 سے کام لینا ہو گا۔“  
 اور جناب، ہم آپ کو ایک اور  
 عجیب بات بتانا تو بھول ہی گئے۔



کہ وہ نہ جانے کیا گل کھلائے - ہمیں  
 تو اُس سے ڈر لگتا ہے -  
 ”ڈرنے کی کوئی بات نہیں - اگر  
 وہ کچھ کرے گا بھی تو بھلے کے لیے  
 کرے گا - بُرے کے لیے نہیں -“

## شاہو چودھری سے مڈ بھیر

اختر، لطیف، سعید اور عزیز تو  
 ماسٹر جی سے باتیں کر رہے تھے اور  
 آفاقی گاؤں کے گلی کوچوں میں گھوم رہا  
 تھا - وہ اس کوشش میں تھا کہ زمین  
 کی ہر چیز کا نقشہ اپنے دل میں پوری  
 پوری طرح اُتار لے -

گاؤں میں لے دے کے دو ایک ہی  
 بازار تھے اور وہ بھی تنگ اور بے رونق  
 سے - ایک سبزی والے کی دکان پر  
 اُس کی نظر انڈوں جیسی لال لال چیزوں  
 پر پڑی تو سوچ میں پڑ گیا - اور  
 پھر جب کچھ یاد آیا تو کہنے لگا،  
 ”یہ تو ٹماٹر ہیں -“ ذرا آگے موچی کی



کڑک کر پوچھا۔ ”ارے او لڑکے، سکول سے بھاگ کر آیا ہے کیا؟“  
 آفاتی نے مڑ کر جو دیکھا تو اُس کے پیچھے ایک لمبا ترنگا شخص کھڑا تھا۔ بڑی بڑی مونچھیں، سر پہ ریگڑ اور ہاتھوں میں ایک بھاری بھر کم سونٹا۔ آفاتی اُسے ایک ہی نظر میں دیکھ کر جان گیا کہ یہی وہ چودھری شاہو ہے جس کا ذکر وہ لڑکے کر رہے تھے۔

اُس نے چودھری کو ادب سے سلام کر کے کہا ”جناب، جب میں آپ کے سکول میں داخل ہی نہیں ہوا تو بھاگنا کیسا؟“

”ہونہہ، تم کسی قدر چالاک بھی معلوم ہوتے ہو۔ بس، اب میں زیادہ باتیں نہیں سُسنے کا۔ میرے پیچھے پیچھے چپ

دکان تھی جس میں رنگ برنگے جوتوں کی بھر مار تھی۔ کچھ جوتے تو دروازوں میں لگی ہوئی کیلوں میں ٹنگے ہوئے تھے اور کچھ فرش پر پڑے ہوئے تھے۔ آفاتی اُنہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا کہ اتنے میں کسی نے پیچھے سے





چاپ چلے آؤ ورنہ.....

اور اس کے بعد چودھری آگے آگے ڈگ  
بھرتا ہوا جا رہا تھا اور اُس کے پیچھے  
پیچھے سر جھکائے آفاقی چل رہا تھا۔

تھوڑا فاصلہ طے کرنے کے بعد دونوں  
سکول میں داخل ہو گئے۔ چودھری شاہو  
سیدھا ماسٹر حیدر کے کمرے میں چلا گیا اور  
آفاقی کو ماسٹر جی کے سامنے کھڑا کر کے  
بولا ”یہی ماسٹر صاحب، ایک اور شاگرد۔  
میں ان پچھروں کو بہت سنبھالتا ہوں کہ اگر  
خود پڑھ لکھ نہیں سکے تو اولاد کو تو دو  
حرف سکھنے دو۔ مگر کون سنتا ہے۔ یہ ننھا  
شٹونگڑا آوارہ پھر رہا تھا کہ میں اسے ادھر  
کھینچ لایا ہوں۔ اب آپ جانیں اور آپ  
کا کام۔ میں چلا“

ماسٹر حیدر نے کہا ”چودھری صاحب، آپ  
بہت نیک آدمی ہیں۔ اللہ آپ کو اس

نیکی کا بدلہ دے گا۔“

یہ کہہ کر وہ آفاقی کو کلاس میں لے  
آئے جہاں اختر، لطیف، سعید اور  
عزیزہ سبق یاد کر رہے تھے۔ ماسٹر  
صاحب ان سے کہنے لگے ”لو بھئی، پہچانو  
اسے۔ یہ کون ہے؟ اسے ابھی ابھی چودھری  
صاحب ہمارے پاس چھوڑ گئے ہیں۔ میں  
نے اسے ایک نظر دیکھتے ہی پہچان لیا  
تھا کہ۔ ہو نہ ہو یہ وہی لڑکا ہے جس  
کا تم ذکر کر رہے تھے“

پھر انھوں نے آفاقی سے کہا ”اچھا  
بھئی ننھے۔ اب تم اپنے ساتھیوں کے  
پاس اس خالی ڈسک پر جا کر بیٹھ جاؤ۔  
کچھ اپنے زمین والے بھائیوں سے سیکھو  
اور کچھ انہیں سکھاؤ۔ لوں جب ہم ایک  
دوسرے سے جدا ہوں گے تو تم ہمیں یاد  
کیا کرو گے اور ہم تمہیں“



## حساب آسان ہو گیا

آفاقی کے چاروں دوست اس سے مل کر بے حد خوش تھے۔ مگر ساجا اُسے دیکھ کر کچھ سہم سا گیا تھا۔

آفاقی کے دوست اس سے کئی باتیں پوچھنا چاہتے تھے مگر حساب کا گفتا شروع ہونے والا تھا اس لیے اُنہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ جو کچھ پوچھنا ہے کھیل کود کے وقت پوچھ لیں گے۔

ماسٹر جی نے لڑکوں کو ترازو اور باٹ دے رکھے تھے اور ایک طرف کنکریوں کی ڈھیری لگا دی تھی۔ اب اُنہیں کنکریوں کا وزن معلوم کرنا تھا۔ سعید نے آفاقی کو بھی کاپی اور پینل دے دی اور کہنے لگا ”یہ رہی ترازو اور باٹ اور وہ رہی کنکریوں کی ڈھیری، ایک پلٹے میں باٹ رکھو اور دوسرے میں کنکریاں۔ پھر باٹوں کو ضرب دے کر ان کا وزن معلوم

کرو۔ سمجھ گئے نا؟“

آفاقی نے پلٹ جھپکتے ہیں کنکریوں کو تول کر ان کا وزن زبانی بتا دیا۔ چاروں دوستوں نے اُس کے جواب کو پرکھا تو بالکل صحیح پایا۔ وہ ہنسا ہنسا رہ گئے۔

سعید بولا ”کمال کر دیا بھئی تم نے تو۔ سوال کو چٹکی بجاتے حل کر دیا ہے۔“

لطیف کہنے لگا ”بھئی، اس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ تم حساب میں ہم سے بہت آگے ہو۔“

آفاقی نے اُنہیں اپنے کام کرنے کا طریقہ بتایا جو ان کے طریقوں کے مقابلے میں بہت آسان بھی تھا اور وقت بھی کم لیتا تھا۔

ماسٹر صاحب ہولے ہولے قدم اٹھاتے ہوئے ان کے پاس آگئے اور کہنے لگے :



”کیوں بھئی - دیکھ لیا تم نے کہ آفاقی  
 تم سے کہیں زیادہ ہوشیار ہے اور جو  
 سوال تم حل کر رہے ہو وہ اُس کے  
 نزدیک بچوں کا کھیل ہے - کیوں بھئی  
 غلط تو نہیں ہے میری بات؟“  
 آفاقی نے ادب سے کہا: ”آپ ہمارے  
 بزرگ بھی ہیں اور استاد بھی - پھر بھلا  
 آپ کی بات کیوں غلط ہونے لگی -  
 میں ان سوالوں سے کہیں مشکل سوال  
 نکال سکتا ہوں - برسوں پہلے ہم لوگ  
 بھی آپ ہی کی طرح کے قاعدوں سے  
 کام لیتے تھے - مگر جب سے مشینوں  
 کے ذریعے تعلیم شروع ہوئی ہے،  
 مشکل سے مشکل سوال چٹکی بجاتے حل  
 ہو جاتے ہیں - میں ایک بات  
 بتانا تو بھول ہی گیا تھا - ہماری دُنیا  
 آپ لوگوں کی دُنیا سے کڑوروں سال



پُرانی ہے -  
 یہ کہہ کر وہ ایک دم چپ ہو گیا  
 اور دل میں کہنے لگا ”ایسا نہ ہو  
 یہ لوگ میری باتیں سن کر ڈر جائیں۔“



اس کے چُپ ہو جانے پر باشرجی  
 کہنے لگے ”نہتے، تمہارے دوست تم  
 سے چند باتیں پوچھنے کے لیے سخت  
 بے تاب ہیں۔“  
 ”بڑے شوق سے پوچھ سکتے ہیں۔“  
 آفاقی بولا۔

## کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے

”اچھا“ سعید نے کہا ”سب سے  
 پہلے یہ بتاؤ کہ تم نے ساجے کو  
 کیسے قابو میں کر لیا تھا؟ کوئی منتر  
 پڑھا تھا اس پر یا کوئی ٹونا کیا تھا؟“  
 ”نہ بھائی“ آفاقی نے جواب دیا۔  
 ”نہ تو میں نے کوئی ٹونا کیا تھا اور  
 نہ کوئی منتر پھونکا تھا۔ میں نے  
 صرف اپنے خیال کے زور سے اس  
 کے ہاتھ پیر باندھ دیے تھے۔ ہمارے  
 ہاں کسی کو دُکھ دینا سخت منع ہے  
 اگر کوئی شخص دھونس اور دھاندلی سے  
 کام لے کر اپنا کام نکالتا چاہے تو  
 ہم خیال کے زور سے اسے رشتوں میں



اپنا تابع کر لیتے ہیں۔  
”بھئی، ہمیں تو تمہاری بات کا یقین ہے نہیں۔“ عزیز نے کہا۔

”اچھا تو پھر آؤ، دو دو ہاتھ ہو جائیں۔“ آفاقی نے ہنس کر کہا۔  
”نا بابا۔ نہ۔“ عزیز نے گھبرا کر کہا

”میری توبہ۔“  
”لیکن تم اس پر اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو؟“ ماسٹر جی نے کہا۔ ”پچھلے سال ہمارے سکول میں ایک مسمریزم والا آیا تھا۔ تم نے دیکھا ہو گا کہ وہ اختر کو کس طرح اپنی انگلیوں پر نچا رہا تھا۔ اختر بے چارے کی مجال نہیں تھی کہ اس کی اجازت کے بغیر ذرا بھی حرکت کر سکے۔ بس ننھے کو بھی تم ایک ننھا ممتا مسمریزم والا سمجھ لو۔ کیوں بھئی ننھے، ٹھیک ہی کہہ

رہا ہوں نا؟“ ماسٹر جی نے کہا اور سب کے ہنسنے پر وہ خود بھی ہنس پڑے۔  
”اب میری باری ہے۔“ اختر نے کہا۔ ”مجھے صرف یہ پوچھنا ہے کہ تم آئے کہاں سے ہو؟“

”رات کو تم تاروں بھرے آسمان کو تو دیکھتے ہو گے۔“ ننھے نے کہا۔ ”اور تم نے ان تاروں کو گننے کی کوشش بھی کی ہو گی لیکن جلد ہی ہار مان لی ہو گی۔ اگر تم ہزار سال بھی ان کی گنتی کرتے رہو تو بھی وہ گنے نہ جا سکیں گے۔ اس کائنات میں تمہاری دُنیا جیسی لاکھوں دُنیا ہیں۔ ان میں کچھ آباد ہیں اور کچھ غیر آباد۔ میں ایک ایسی ہی دُنیا سے آیا ہوں جو آباد ہے اور اگر وہاں جانا چاہو تو لاکھوں میل کا فاصلہ طے کرنا پڑے



تم ہم سے بہت زیادہ لائق فائق ہو۔  
لیکن یہ بتاؤ کہ ساجے والی کرامت کے  
علاوہ کوئی اور بھی کرامت جانتے ہو  
تم؟

”ایسی کئی کرامتیں میری مٹھی میں بند  
ہیں۔ ہم میں ایک کمال یہ ہے کہ ہم  
لوگوں کے دلوں کی باتیں بتا سکتے ہیں  
اور یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ آئندہ کیا  
ہونے والا ہے۔“

”سچ؟ اچھا تو بتاؤ، آج شام  
ہمارے گھر کیا ہونے والا ہے؟“ لطیف  
نے پوچھا۔

”آج شام کی ڈاک سے تمہیں ایک  
لٹافہ ملے گا، جسے تمہاری امی بے تابی  
سے کھولیں گی۔“

”اللہ تمہاری زبان مبارک کرے۔ اگر  
سچ مچ ابو کا خط آ گیا تو لڈوؤں سے

گا۔“

”اچھا یہ بتاؤ، ہماری دُنیا اچھی ہے  
یا تمہاری؟“  
”دونوں ہی اچھی ہیں لیکن بھئی مجھے  
تو اپنی دُنیا ہی اچھی لگتی ہے۔ اپنا  
گھر پھر اپنا ہوتا ہے۔“



”اچھا بھئی، یہ تو ہم نے مان لیا کہ



تمہارا مُنہ بھر دُوں گا۔“ لطیف نے کہا  
اور خوشی کے مارے ناچ ناچ اُٹھا۔  
”ہمارے مُتعلق بھی کچھ کہو۔“ سعید نے

کہا۔  
”تُم کرکٹ میں بہت نام پیدا کرو گے۔“  
آفاقی نے کہا۔

”ارے“ سعید نے حیران ہو کر کہا۔  
”تُم تو واقعی بہت بُرے غیب دان ہو۔“  
”اچھا غیب دان صاحب، ہمارے مُتعلق  
کیا حکم ہے؟“ اختر نے پوچھا۔

”تُم مجھے جانوروں میں گھسٹے کودتے  
نظر آتے ہو اور پڑھ لکھ کر جانوروں  
ہی کے ڈاکٹر بنو گے۔“

اُس نے اپنی بات ختم کی ہی تھی کہ  
کھیل کی گھنٹی بجنا شروع ہو گئی۔ لڑکے  
اپنی اپنی جگہ سے اُٹھے اور آفاقی سے  
کہنے لگے۔ ”چلو، چل کر کھیلیں۔“

”مظہر جاؤ۔“ آفاقی نے خوف زدہ ہو  
کر کہا۔ ”آج سہ پہر کو کوئی خوف ناک  
بات ہونے والی ہے۔ میں اس کی بابت  
تمہیں خبردار کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔  
میری آنکھوں کے سامنے ایک دُھندلی سی  
تصویر اُبھر رہی ہے۔ میں دیکھ رہا ہوں  
کہ سارا سکول کھیل کے میدان میں جمع  
ہو رہا ہے۔ وہاں سعید بھی ہے، عزیز  
بھی ہے اور لطیف اور اختر بھی۔ سب  
کھیل دیکھنے میں مگن ہیں۔ کیوں ماسٹر  
صاحب، آج سہ پہر کے وقت یہ لوگ کھیل  
کے میدان میں جمع ہو رہے ہیں نا؟“  
”ہاں میاں۔ آج پڑوس کے ایک قصبے  
کی کرکٹ ٹیم سے ہمارا میچ ہو رہا ہے  
اور سعید اپنے سکول کی ٹیم کا کپتان  
ہو گا۔“ یہ کہہ کر ماسٹر صاحب چلے گئے۔  
آفاقی نے بہت زور مارا کہ لڑکے اس



کی بات سن لیں مگر سب نے سُنی اُن  
سُنی کر دی اور اُسے کھینچ کر میدان  
میں لے آئے۔

میدان میں لڑکے طرح طرح کے کھیل  
کھیل رہے تھے۔ آفاقی بھی اُن کے  
ساتھ کھیلنے لگا۔ لڑکے اُس کی مہارت  
کو دیکھ کر واہ واہ کر رہے تھے۔ کرکٹ  
میں تو اُس نے کمال کر دکھایا۔ جب  
گیند اس کی طرف آتی تو وہ آنکھوں  
ہی آنکھوں میں اس کے نشانے کا  
اندازہ کر لیتا اور پھر ایسی کراری ہٹ  
لگاتا کہ زمین چار دوڑیں آرام سے ہو  
جاتی تھیں۔ سعید اس کے کھیل کو دیکھ  
کر بے حد خوش ہوا۔ وہ دوڑ کر اُس  
کے پاس آیا اور کہنے لگا ”آج میچ  
میں ختم ضرور ہمارے ساتھ کھیلنا۔ پھر دیکھنا  
ہم مخالفِ طہیم کو کس بُری طرح

سے ہراتے ہیں۔ کھیلو گے نا؟“  
”تمہیں کھیل کی پڑی ہے اور میرا  
خوف کے مارے بُرا حال ہو رہا ہے۔“  
آفاقی نے کہا ”وہ دیکھو، میری آنکھوں  
کے سامنے پھر وہی تصویر ابھری ہے۔  
میدان میں بھگدڑ سی مچی ہوئی ہے۔  
جدھر جس کا سینگ سما رہا ہے، بھاگے  
جا رہا ہے۔ گھنٹیوں کے شور سے کان  
پڑی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ کچھ آدمی  
ادھر ادھر بھاگ رہے ہیں۔ آنکھوں  
نے لوہے کی عجیب سے ہیٹ پہن  
راکھے ہیں اور آنکھوں میں لمبی لمبی  
ربڑ کی نالیاں پکڑے ہوئے ہیں۔“  
سعید نے پھٹی پھٹی نظروں سے  
آفاقی کو دیکھا اور بولا ”یہ کیا کہہ  
رہے ہو تم؟ عجیب سے ہیٹ، لمبی  
لمبی ربڑ کی نالیاں۔ کہیں پاگل تو نہیں



ہو گئے؟

”نہیں میری بات کا یقین نہیں آ  
رہا۔“ آفاقی ادھر ادھر دیکھ کر بولا۔  
”اچھا، تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو  
گے۔“

## کرکٹ میچ

گاؤں کا سکول ایک پہاڑی کے  
دامن میں تھا اور جو راستہ پہاڑی کے گرد  
گھومتا ہوا گاؤں کی طرف آتا تھا اُس  
کا موڑ بہت خطرناک تھا۔ اسی موڑ  
کے قریب سکول کا میدان تھا۔

سہ پہر کے بعد تمام لڑکے میدان  
میں پہنچ گئے اور مہمان ٹیم کے آنے  
کا بے چینی سے انتظار کرنے لگے۔  
اُنہیں آئے ہوئے کچھ دیر ہی ہوئی  
تھی کہ پہاڑی کی چوٹی پر مخالف  
ٹیم کے ماسٹر صاحب نظر آئے۔ لڑکوں  
نے تالیاں بجا بجا کر اُن کا استقبال  
کیا اور جب مہمان ٹیم آ گئی تو



نصروں سے آسمان سر پر اٹھا لیا۔  
 ”کپتان سعید، زندہ باد“  
 مخالف ٹیم کا نصرہ تھا ”کپتان سلیم  
 زندہ باد“

ماسٹر حیدر جی نے سب کا جوش ٹھنڈا  
 کیا اور دونوں کپتان ٹاس کرنے لگے۔  
 ”چت ہماری“ سعید نے کہا۔  
 ”ڈپٹ ہماری“ سلیم نے کہا۔

بسکٹ ہوا میں اچھل کر زمین پر چت  
 گرا۔ جسے دیکھتے ہی سعید نے زور  
 سے کہا ”ہپ ہپ ہپ ہرے“

دونوں ٹیمیں میدان میں آ گئیں۔  
 اتنے میں آفاقی، اختر اور دوسرے  
 لڑکوں نے وکٹیں گاڑ دیں اور ہر  
 کھلاڑی اپنی اپنی جگہ پر کھڑا ہو گیا۔  
 کھیل کے ریفری مہمان ٹیم کے ماسٹر  
 جی مقرر ہوئے اور کھیل شروع ہو گیا۔

اختر نے بیٹ سنبھالا اور وکٹوں کے  
 پاس آ کر کھڑا ہوا مگر وہ کچھ گھبرایا  
 ہوا سا تھا۔ ادھر سے زناٹے کے ساتھ  
 گیند آئی تو ہلک جھپکتے ہیں وکٹوں کو  
 اڑا کے لے گئی۔ اختر کا گھبرانا بے معنی  
 نہیں تھا۔ مخالف ٹیم کا بولر اپنے فن  
 کا رستم تھا اور لوگ اس کی گیند سے  
 بُری طرح لرزتے تھے۔ جب لطیف  
 نے اختر کی جگہ لی تو وہ بھی پہلے ہی  
 وار میں صاف ہو گیا۔

اس کے بعد داؤد آیا تو وہ تھوڑی  
 دیر کے لیے ٹپک گیا۔ اس پر سارے  
 سکول نے تشکر کا کلمہ پڑھا کہ کچھ  
 تو ڈھارس بندھی۔ لیکن پھر جو ٹھا کی  
 زور دار آواز آئی تو داؤد بھی مُنہ  
 لٹکائے واپس آ گیا۔

اس پر سعید تلملا اٹھا اور کہنے لگا



”اگر یہ کھیل ایسے ہی جاری رہا تو مارے گئے ہم“

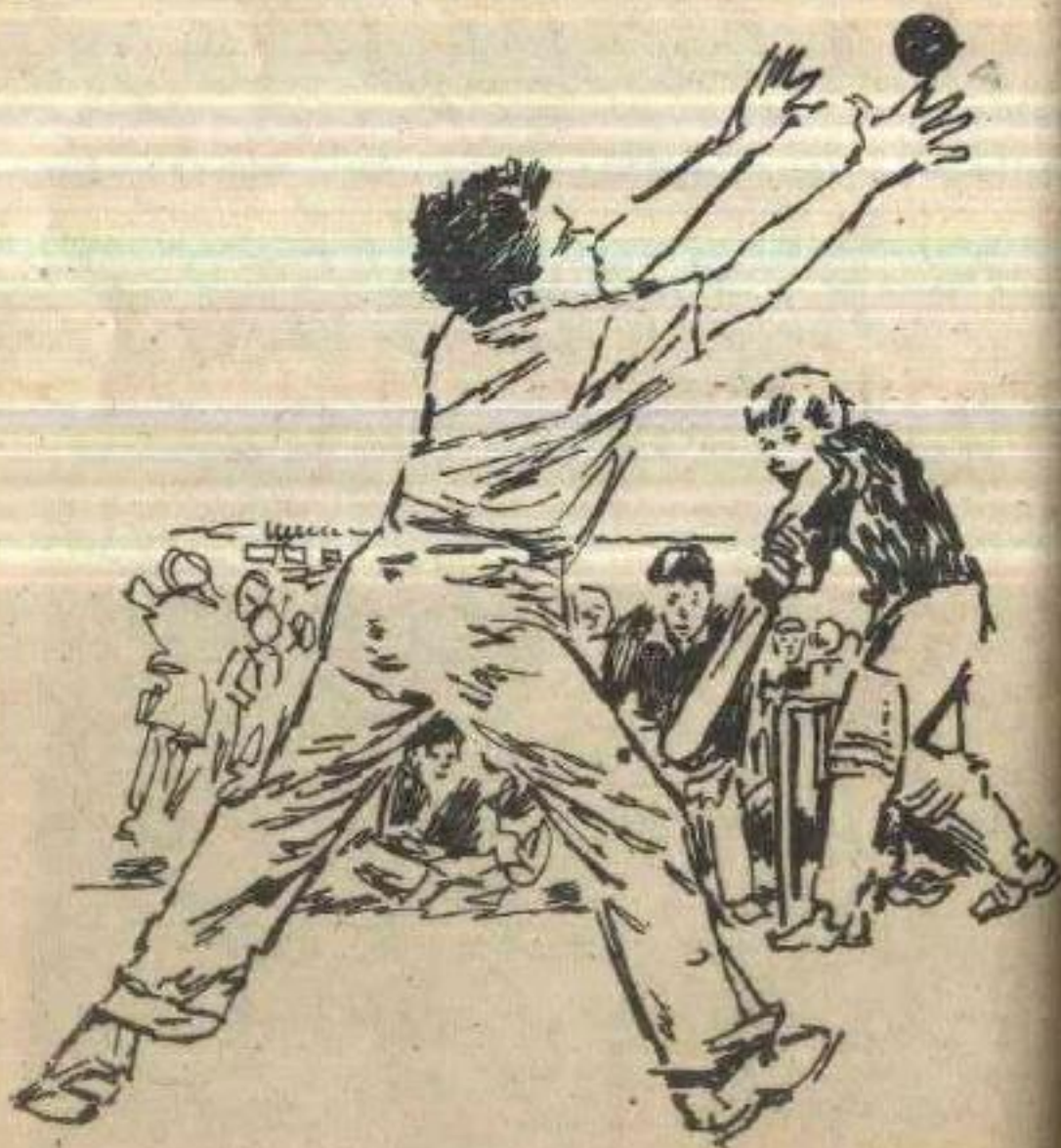
یہ کہہ کر اُس نے بلا لیا اور میدان میں آ ڈٹا۔ اُس نے تالیوں کی گونج میں ہٹ ہٹ پر ہٹ لگانی شروع کی اور چند منٹوں میں کھیل کا نقشہ بدل کر رکھ دیا۔ چاروں طرف شور مچا ہوا تھا۔ ”چھکا سعید، چھکا“

لیکن سعید کے ساتھی نے لٹیا ڈبو دی اور اُس کے یکے دھرے پر پانی پھر گیا۔ اس نے گیند کو یوں ہٹ لگائی تھی کہ بولر نے اُسے آسانی سے دبوچ لیا تھا۔

اب آفاقی میدان میں آیا اور بلا اٹھا کر وکٹوں کے پاس کھڑا ہو گیا سعید کو اُس سے جتنی اُمید تھی وہ اُس سے بڑھ کر ثابت ہوا۔ کیا بات

تھی اس کی۔ وہ زور زور کی ہٹیں لگائیں کہ سکول کی آنکھوں کا تارا بن گیا اور مخالف ٹیم کی آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکنے لگا۔

کبھی تو اُس کی گیند جنگل کے اس





پار جا نکلتی ، کبھی جنگل کے ادھر رُک جاتی اور کبھی اتنی دُور جا اُڑتی کہ پہنچ سے باہر ہو جاتی ۔

جاوید کو اپنے بولر ہونے کا بڑا مان تھا ۔ اُس نے لاکھ زور مارا کہ گیند آفاقی کی وکٹ کو چھو جائے مگر اس کی ساری کاری گری دھری کی دھری رہ گئی ۔ آفاقی عقاب کی طرح گیند کو تارتا تھا اور شیر کی طرح جھپٹ کر اُسے آنکھوں سے اوجھل کر دیتا تھا ۔

دیکھتے ہی دیکھتے سکور بورڈ پر 100 کا ہندسہ اُبھرا اور سارے سکول نے تالیاں بجا بجا کر آسمان سر پہ اُٹھا لیا ۔ سعید نے اپنی ٹیم کی انگلز ختم کرنے کا اعلان کر دیا ۔ آرام کا وقفہ ختم ہوا تو سعید کی

ٹیم بولنگ کے لیے آگے بڑھی اور مخالف ٹیم نے بیٹ سنبھالا ۔ بیٹسمین گیند کا انتظار کر رہا تھا کہ آفاقی نے اس پھرتی سے گیند پھینکی کہ وہ سجلی کی طرح اُڑی اور مٹھا سے وکٹ اُڑا گئی ۔ بے چارہ بیٹسمین دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا کہ گیند آئی کہاں سے اور گئی کدھر ؟

یہی خشر دوسرے کھلاڑی کا ہوا۔ اور پھر جو بھی آیا ، ٹھہر نہ سکا ۔ آفاقی نے رنٹوں میں سب کو ڈھیر کر دیا ۔ مخالف ٹیم کے چہروں پر ہوائیاں اُڑ رہی تھیں ۔ وہ بُری طرح مار چکی تھیں ۔

تالیوں کی گونج اور نعروں کے شور نے کھیل کے میدان کو ہلا ڈالا ۔ کپتان سلیم بڑے دل گروے کا لڑکا



تھا۔ وہ شور مچنے پر سعید کو جیت کی  
مبارک دینے آیا اور بولا ”بھئی سعید  
تم تو اس کھیل کے دولہا ہو ہی مگر  
جیت کا سہرا اس لڑکے کے سر ہے۔“  
اس نے آفاقی کی طرف اشارہ کیا ”اس  
غضب کی ہٹ لگاتا ہے اور اتنی  
نپی تھلی گیند پھینکتا ہے کہ آدمی حیران  
رہ جاتا ہے۔ اسے پہلے تو میں نے  
یہاں کبھی نہیں دیکھا۔ بھئی، آپ کہاں  
کے رہنے والے ہیں؟“

”میرے وطن کی کیا پوچھتے ہو  
صاحب۔ لاکھوں میل کا فاصلہ طے  
کر کے یہاں آیا ہوں۔“ آفاقی نے  
کہا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ماسٹر  
جی بھی آگئے اور کہنے لگے :  
”بھئی آفاقی، اس جیت کی خوشی  
میں ہم آج تمہاری شان دار دعوت کر

رہے ہیں۔ مگر ارے، یہ کیا؟ تمہاری  
رنگت اڑی اڑی سی کیوں ہے؟ اتنے  
پریشان کیوں ہو رہے ہو؟“

”میرا دل گھبرا رہا ہے ماسٹر جی،  
آپ ذرا ادھر آئیے۔ مجھے آپ سے  
ایک ضروری بات کہنی ہے۔ جلدی کیجیے  
اور جب دونوں بھاگ بھاگ سکول  
کے دروازے پر آگئے تو آفاقی نے  
کہا ”ماسٹر جی، آپ نہ تو مجھ سے  
کوئی سوال پوچھیے اور نہ میری بات  
ٹالیے۔ بس جو کہوں، کرتے جائیے۔  
معاملہ بے حد نازک ہے۔ آپ مہربانی  
کر کے سب لڑکوں کو فوراً یہاں بلا  
لیجیے۔ فوراً“

ماسٹر جی نے سیٹی بجائی اور ساتھ  
ہی زور سے پکار کر کہا ”سب ادھر  
بھاگ آؤ۔ فوراً۔“



لڑکے حیران تھے کہ یہ ماسٹر جی کو کیا ہو گیا ہے۔ مگر اُن کے مُحکم کو بھلا کون ٹال سکتا تھا۔ وہ بھگڈر چچی کہ تو بہ بھلی۔ ایک دوسرے پر گرتے پڑتے ہانپتے کانپتے سب ان کے پاس آ گئے۔ ماسٹر جی اُنھیں سکول کے بڑے دروازے کے ساتھ والے کلاس روم میں لے آئے جو ہنٹوں میں کھچا کھچ بھر گیا۔ اتنے میں زور زور سے مارن بجنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ایک لاری دکھائی دی جو بے تحاشا، چکر کھاتے ہوئے، پہاڑی راستے پر دوڑی چلی آ رہی تھی۔ آفاقی زور سے بولا ”کوئی جا کر آگ بجھانے والوں کو اطلاع دے دے“ یہ سنتے ہی مخالف ٹیم کے ماسٹر جی باہر کی طرف بھاگے۔

لاری گرہتی دھاڑتی اڑتی چلی آ رہی تھی

ڈرائیور ایک ہاتھ باہر نکال کر پورے زور سے ہلا رہا تھا اور ساتھ ہی چلاتا بھی جاتا تھا۔

یہ دیکھ کر سہید بولا ”یہ تو پٹرول کی لاری ہے۔ معلوم ہوتا ہے ڈرائیور کے قابو میں نہیں رہی۔“

لاری آخری موڑ پر آ کر گھومی تو کھیل کے میدان کے جنگلے کو تھس تھس کرتی ہوئی بدست ہاتھی کی طرح درخت سے جا ٹکرائی اور پھر الٹ گئی۔ خوش قسمتی سے ڈرائیور ایک ہی جھٹکے میں باہر آ گرا اور قلابازیاں کھاتا ہوا کہیں کا کہیں جا پہنچا۔ اسے صحیح سلامت دیکھ کر آفاقی نے مسکھ کر سانس لیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے لاری میں سے پہلے دھوئیں کی پتلی سی لکیر اُٹھی اور پھر ہنٹوں میں بڑے بڑے شعلے لپک لپک کر آسمان



سے باتیں کرنے لگے۔ اس کے بعد اس  
زور کا دھماکا ہوا جیسے بے شمار بم ایک  
ساتھ پھٹ پڑے ہوں۔

دھماکے سے سارا سکول کانپ کانپ اٹھا۔  
ابھی اس ہولناک آگ کو بھڑکنے ہوئے  
چند منٹ گزرے تھے کہ آگ بجھانے والا  
انجن ٹن ٹن کرتا ہوا آگ والی جگہ پر پہنچ  
گیا اور اُس میں سے چند آدمی، جنہوں نے  
لوہے کی ٹوپیاں پہن رکھی تھیں، بڑی  
پھرتی سے اترے اور ربڑ کے لمبے لمبے  
پائپوں سے آگ پر پانی کے فوارے چھوٹنے  
لگے۔ کوئی گھنٹا بھر کی کوشش کے بعد  
آگ پر قابو پا لیا گیا۔

جب حالات سدھر گئے تو مجمع میں  
خوشی کی لہر دوڑ گئی اور سعید نے  
بے اختیار ہو کر آفاقی کو مپکارنا شروع  
کر دیا۔

لیکن وہاں آفاقی تھا کہاں جو اُسے  
جواب دیتا۔ وہ تو جنگل میں اُسی جگہ جا  
کر چھپ گیا تھا جہاں اُرن طشتری نے  
اُسے اُتارا تھا۔

رات کے دس بجے پھر اُرن طشتری  
آئی۔ اُس نے اسی جگہ بیٹھی لٹکائی،  
اور تلک جھپکتے میں آفاقی اُدپر چڑھ گیا۔  
اس کے بعد اُرن طشتری آسمان کو اپنے  
نور میں نہاتی ہوئی نظروں سے غائب  
ہو گئی۔



لیکن بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنہیں یقین ہے کہ اُٹن طشتری واقعی کوئی چیز ہے، کیوں کہ اُنہوں نے اپنی آنکھوں سے اُسے دیکھا ہے۔

16 اکتوبر 1957ء کو نیو میکسیکو (امریکہ) میں ایک اُٹن طشتری پندرہ منٹ تک دکھائی دیتی رہی تھی۔ اور بہت سے لوگوں نے اس کی فوٹو بھی اُتاری تھی جو دُنیا بھر کے اخباروں میں شائع ہوئی تھی۔

امریکہ کے بہت سے پائلٹ اس بات کی تائید کرتے ہیں کہ خلا میں عجیب عجیب چیزیں دیکھنے میں آتی ہیں۔ آج کل دُنیا بھر کے سائنس دان اُٹن طشتری کی بابت تحقیق کر رہے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب وہ یہ بات ثابت کر دکھائیں گے کہ اُٹن طشتری وہم نہیں

## دو دو باتیں

یہ کتاب تو آپ نے پڑھ لی مگر یہ بتائیے کہ آپ کو اُٹن طشتری کا یقین بھی آیا کہ نہیں؟ کیا یہ سچ ہے کہ خلاؤں کے باشندے ہماری دُنیا کی سیر کرنے کے لیے آیا کرتے ہیں؟ اکثر لوگ اس بات کو مذاق سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اُٹن طشتری وہم کے سوا کچھ نہیں۔

بعض سائنس دان کہتے ہیں کہ دلدلوں سے اُٹھنے والی گیسیں اوپر جا کر عجیب عجیب شکلیں اختیار کر لیتی ہیں۔ ان شکلوں میں سے ایک شکل اُٹن طشتری کی بھی ہے۔



سچ سچ ہوائی جہاز کی طرح کی ایک چیز ہے۔  
 یہ سچ ہے کہ اس کتاب میں ایک  
 خیالی کہانی بیان کی گئی ہے، مگر یاد  
 رکھیے، عمل ہمیشہ خیال کے پیچھے پیچھے  
 آیا کرتا ہے۔

پُرانے زمانے کے کہانیاں رکھنے والوں  
 نے کبھی انسان کے پر لگائے اور کبھی  
 اُسے اُڑن کھٹولے میں بٹھایا اور اپنے  
 خیال کے زور سے اُسے چاند پر پہنچا  
 دیا۔ اب اسی خیال کو سائنس دانوں نے  
 عمل میں ڈھال دیا اور ایسا راکٹ بنایا  
 جس میں بیٹھ کر انسان سچ سچ چاند  
 پر پہنچ گیا۔



# ناول 8 سے 10 سال تک کے بچوں کے لیے

## کشمیر کی بیٹی

راز و سنی

## پنا کو کے کارنامے

سعید نعت

ایک بہادر اور جہان باز کشمیری لڑکی کی کہانی جو اپنے وطن کو آزاد کرانے کے لیے خون میں بھرتی ہوئی اور میدان جنگ میں اپنے کارنامے دکھائے کہ مرد بھی عیش عیش کرانے لگے۔

ایک بے مشور اور بے کار لڑکی کو روپی کا دل چسپ اور سبق آموز ناول جسے سعید نعت نے اپنے مخصوص مزاجی انداز میں لکھا۔

kutubistan.blogspot.com

## تھے جاسوس

آغا اشرف

ایک دل چسپ ناول جس سے بچوں میں بہت جرات اور مقصدیت کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہوگی۔

## ایک بچہ ایک چور

ابو منیا اقبال

نہایت دل چسپ اور جاسوسی کے کارناموں سے بھرپور ناول۔

## جنگل کا بادشاہ

عظیم الرحمان فرقان

ریڈیو ڈراموں کی مشہور کہانی۔ آسان اور دل چسپ زبان میں۔

## موتیوں کی وادی

حسین

چار بہن بھائی بھولے سے ٹیڑھوں کی چسپ میں بیٹھے کہ ایک ایسی وادی میں چلے گئے جہاں خزانہ لڑا تھا۔ ایک دل چسپ ناول۔

## دریا کنارے والا بنگلہ

زبیدہ سلطانہ

اُس بنگلے میں چار بہن بھائی رہتے تھے اور چاروں کو جاسوسی کا بہت شوق تھا۔ ایک دل چسپ ناول۔

## اڑن طشتری

حسین

رات کے وقت گاؤں میں ایک اڑن طشتری اُڑی۔ اس میں مریخ کا ایک آدمی سوار تھا۔ نہایت دل چسپ اور معلوماتی ناول۔

## بارہ بھائی

محمد یونس حسرت

ایک دل چسپ اور معلوماتی کہانی جس میں محقق نے بارہ بیٹوں کو جاندار کر دیا اور ان کی ضرورت میں پیش کیا ہے۔

## شاہین محاذ جنگ پر

آغا اشرف

جب ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کیا تو پوری قوم اس کے مقابلے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی۔ بڑے توڑ بڑے بچوں نے بھی وہ کارنامے کیے کہ دنیا عیش عیش کر اٹھی۔

## نجم کی سرگزشت

محمد یونس حسرت

ایک غریب اور دین دار لڑکی کی کہانی جس نے بے پناہ مصیبتیں جھیلیں مگر نیکی اور سچائی کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا۔

## شمسی بادوگر

زبیدہ سلطانہ

شمسی بادوگر نے ایک ایسی دوا بنائی جسے کھا کر انسان ہوا میں اڑنے لگتا تھا۔ وہ دوا اس کی نوکرائی نے کھالی۔ پھر کیا ہوا؟ یہ ناول میں پڑھیے۔ بہت مزیدار ناول ہے۔

kutubistan.blogspot.com

لاہور۔ راولپنڈی۔ کراچی

فائونڈیشن



Rs. 7.50